خطباتِ فقیر

جلد ۱۷

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مجددی مدظلہم

مرتب

مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

نام کتاب ——— خطباتِ فقیر (جلد ۱۷)

ازافادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ——— اگست 2009ء

اشاعت دوم ——— نومبر 2009ء

اشاعت سوم ——— مئی 2010ء

تعداد ——— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہد محمود غفرلہ

فہرست

❁❁❁❁

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
مت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات
نیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ
نارہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند
ہے بلندتر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت
کاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک
ں پروازِ فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں
ں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل
کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقول شاعر

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کر رکھا
ہے کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اور انہوں
نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے

ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک
مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔ قارئینِ کرام کی خدمت میں بھی
گزارش ہے کہ اس مجموعۂ خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ
بحرِ معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہل دل ہی جانتے
ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت
فطانت اور حلاوت وذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہل ذوق حضرات
کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا
کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لئے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ
ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تازیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سر
انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقۂ جاریہ
بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ
خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فقیر کو جب عاجز کے شیخ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی مجددی
ر اللہ مرقدہ نے اشاعت سلسلہ کے کام کی ذمہ داری سونپی تو ابتدا میں چند دن اپنی
بے بضاعتی کے احساس کے تحت اس کام کے کرنے میں متذبذب رہا، لیکن حضرت
رشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا، چنانچہ فرمایا کہ بھئی تم نے اپنی طرف سے اس
کام کو نہیں کرنا بلکہ اپنے بڑوں کا حکم پورا کرنا ہے، کیوں نہیں کرتے؟ مزید فرمایا کہ
ب کبھی مجلس میں بیان کے لیے بیٹھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، بڑوں کی نسبت
ہاری پشت پناہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت کے حکم اور نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے
دہ نے وعظ و نصیحت اور بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال
وئی، حلقہ بڑھتا رہا اور الحمد للہ شرکاء کو کافی فائدہ بھی ہوتا کیونکہ ان کی زندگیوں میں
بدیلی عاجز خود بھی دیکھتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چہار اطراف سے بیانات کے
لیے دعوتیں آنے شروع ہو گئیں۔ شیخ کا حکم تھا، سرتابی کی مجال کہاں؟ جب بھی دعوت
ں رختِ سفر باندھا اور عازمِ سفر ہوئے۔ اس کثرت سے اسفار ہوئے کہ بعض
وقات صبح ایک ملک، دوپہر دوسرے ملک اور رات تیسرے ملک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ
نے اپنی رحمت سے ملکوں کو محلّہ بنا دیا۔ اس ناتواں میں یہ ہمت کہاں؟...... مگر وہ جس
سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔ بقول شخصے

"قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں"

حقیقت یہ ہے کہ یہ میرے شیخ کی دعا ہے اور اکابر کا فیض ہے جو کام کر رہا ہے
و اما بنعمة ربك فحدث ـ

بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصے بعد جماعت کے کچھ دوستوں نے ان کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، مکتبۃ الفقیر نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی، یوں خطبات فقیر کے عنوان سے نمبروار یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہ عاجز کئی ایسی جگہوں پر بھی گیا جہاں یہ خطبات پہلے پہنچے ہوئے تھے اور وہاں علما طلبا نے کافی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

ان خطبات کے مطالعے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، ان میں علمی غلطی یا بھول کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس لیے معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ دعا ہے کہ جو حضرات بھی ان بیانات کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں اپنی رضا اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ نصیب فرمائیں اور عاجز کو بھی مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شيء

﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ﴾

(العنکبوت:۵)

رحمتِ الٰہی

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامع مسجد مدینہ، جھنگ صدر

بتاریخ: ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۳ء برموقع: سالانہ اجتماع ۲۰۰۳ء

اقتباس

اگر اللہ رب العزت کی رحمت کے سو حصے ہوں تو ایک حصہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں تقسیم فرمایا اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے۔ رحمت کے اس ایک حصے کی وجہ سے انسانوں کے اندر محبتیں نظر آتی ہیں۔ ماں کو اولاد سے...... میاں کو بیوی سے...... دوست کو دوست سے...... جانوروں میں...... انسانوں میں...... پرندوں میں آپ کو جو ہمدردی اور محبت نظر آتی ہے، یہ اسی ایک حصے کا تھوڑا سا حصہ ہے جو ایک بندے کو ملا ہے۔ اب بتائیے کہ وہ ایک حصہ کتنا بڑا ہو گا کہ اتنی مخلوق میں تقسیم ہوا۔ اور اس حصے میں سے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا سا ہمیں بھی دیا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

رحمتِ الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا ○﴾ (الکہف:۱۱۰)
وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرْ
﴿مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ﴾ (العنکبوت:۵)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تین اہم دن:

انسانی زندگی کے تین دن بڑے اہم ہوتے ہیں:۔

ایک وہ دن جب بچہ اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔اس دن اس کی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔اس کے رزق کے بارے میں بھی لکھ دیا جاتا ہے اور اس کے سعید (خوش بخت) یا شقی (بد بخت) ہونے کے بارے میں بھی لکھ دیا جاتا ہے۔اسی لیے تحنیک سنت ہے۔چنانچہ اگر کوئی نیک بندہ پاس موجود ہو تو اس کے منہ میں اپنا جوٹھا ڈالے۔وہ ایک کان میں اذان کہے اور دوسرے کان میں اقامت کہے۔یعنی اللہ رب العزت کا نام اس بچے کے کانوں میں پہنچا دیا جائے۔

دوسرا اہم دن وہ ہوتا ہے جب انسان اس دنیا سے اگلے جہان کی طرف روانہ ہوتا ہے۔اس دن اس کی زندگی کا ایک مرحلہ مکمل ہوتا ہے اور دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔اللہ کرے اس دن بھی کوئی نیک آدمی پاس ہو جو کلمے کی تلقین کرے۔حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ''جب کسی آدمی کے آخری لمحات ہوں تو جولوگ اس وقت اس کے قریب ہوں ان کو چاہیے کہ وہ ذرا بلند آواز سے کلمہ پڑھیں تا کہ اسے کلمہ یاد آجائے۔''اس کوتلقین کہتے ہیں۔

اس وقت اسے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ آپ کلمہ پڑھیں۔کیا معلوم کہ وہ کس حال میں ہے؟اس لیے خود ذرا اونچی آواز سے کلمہ پڑھے تا کہ وہ سن لے اور اسے بھی سن کر یہ بھولا ہوا سبق یاد آجائے۔یہ انسان کی زندگی کا دوسرا اہم دن ہوتا ہے۔

تیسرا اہم ترین دن وہ دن ہوگا جب سب لوگ اللہ رب العزت کے حضور پیش کیے جائیں گے۔یہ ملاقات کا دن ہوگا۔یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا دن ہوگا۔نیکوں کے لیے یہ دن اس طرح ہوگا جس طرح پردیس میں گیا ہوا کوئی محبوب بندہ لوٹ کر واپس آتا ہے تو لوگ اس کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔اس سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔اور اگر یہ برا انسان ہوتو یہ اس حیثیت سے اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا جائے گا جیسے کوئی بھاگا ہوا غلام پکڑا جائے تو وہ اپنے آقا کے سامنے پیش ہوتے ہوئے شرمندہ ہوتا ہے۔

یہ تینوں دن بہت اہم ہیں۔اس لیے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بیان فرمایا گیا:

﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾

(مریم:۳۳)

''اور مجھ پر (اللہ کی طرف سے) سلامتی ہو پیدائش اور موت کے دن اور اس

دن جس دن میں زندہ کھڑا کیا جاؤنگا''

جو آیت مبارکہ تلاوت کی گئی اس میں اس تیسرے دن کا تذکرہ ہے۔

پروردگارِ عالم سے ملاقات کی فکر:

دنیا کے ہر انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب بھی اسے کسی اہم بندے سے ملاقات کرنی ہوتو اس کی وہ تیاری کیا کرتا ہے۔ اگر دنیا کے کسی بڑے سے ملاقات کرنی ہوتو پھر بھی تیاری کرتا ہے اور اگر دین کے بڑے سے ملاقات کرنی ہوتو پھر بھی تیاری کرتا ہے۔ حتی کہ شادی کے موقع پر دلہن کو میاں سے ملاقات کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

جب بچی پیدا ہوتی ہے تو اسی وقت اس کی ماں کو فکر ہوتی ہے کہ مجھے اس بیٹی کا جہیز بنانا ہے، اس لیے کہ اس نے ایک دن اپنے پیا گھر بھی جانا ہے۔ اب اس بچی سے ہمیں سبق سیکھنے کی ضرورت ہے کہ ابھی تو وہ کھلونوں میں کھیل رہی ہے اور اس کی ماں کو فکر ہے کہ اس کا کیا بنے گا۔ اگر ماں کو اس بچی کی فکر ہے تو کیا اسے اپنے متعلق بھی یہ فکر ہے کہ ایک دن مجھے بھی اللہ رب العزت کے حضور پیش ہونا ہے۔ اس دن میرا کیا بنے گا!

جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے وہ اپنے میاں کی خاطر

......اپنے وطن کو چھوڑتی ہے

......خویش قبیلہ چھوڑتی ہے

......عزیز و اقارب کو چھوڑتی ہے

......اپنی سہیلیوں کو چھوڑ دیتی ہے، حتی کہ

......ہر چیز کو چھوڑ دیتی ہے۔

اگر ایک لڑکی اپنے میاں کی خاطر سب کچھ چھوڑ کے چلی جاتی ہے تو کیا ہم اپنے پرودگار کی خاطر دنیا کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے!؟ ہمیں بھی تو اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

اس کی تیاری کرنے کا وقت آج ہے۔

انسان کی چار پسندیدہ خصلتیں

انسان کے اندر چار خصلتیں بہت پسندیدہ ہیں، مگر یہ بہت کم لوگوں میں ہوتی ہیں:-

(۱)......اللہ سے ڈرنا:

جلوت اور خلوت میں اللہ سے ڈرنا۔جلوت کا مطلب ،لوگوں کی موجودگی میں ۔خلوت کا مطلب،تنہائی میں ۔لوگوں میں بیٹھ کر تو انسان خوف کی بڑی باتیں کرتا ہے،کیا خلوت میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی ڈرتا ہے۔کتنے لوگ ہیں جو محفلوں میں بیٹھ کر اللہ کے دوستوں والا کلام کرتے ہیں اور جب خلوت میں ہوتے ہیں تو اللہ کے دشمنوں والا کام کرتے ہیں۔نافرمانوں والا کام کرتے ہیں۔
جب دل میں اللہ رب العزت کا یہ استحضار ہو کہ وہ مجھے دیکھتے ہیں اور وہ میرے پاس ہیں تو پھر انسان حیا کرتا ہے اور گناہوں سے رک جاتا ہے۔صحابہ کرامؓ میں یہ صفت بہت عام تھی۔

......عمرؓ کا خدا تو دیکھ رہا ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ رات کے وقت گشت کر رہے تھے۔صبح کا وقت ہو گیا۔ایک گھر میں سے بڑھیا کی آواز آئی۔اس نے اپنی بچی سے پوچھا: کیا بکری نے دودھ دے دیا؟ اس نے کہا: جی ہاں! دودھ تو دیا ،مگر تھوڑا ہے۔اس بڑھیا نے کہا: لینے والے تو آ کر مانگیں گے، چنانچہ اس میں کچھ پانی ملا دو تا کہ مقدار پوری ہو جائے۔اس نے کہا: دادی اماں! میں تو پانی نہیں ملاؤں گی اس لیے کہ حضرت عمر نے

دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے۔اس بڑھیا نے کہہ دیا: کون سا عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں۔تو اس بچی نے جواب میں کہا: ''جی! اگر عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہے تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی یہ باتیں سن کر واپس آ گئے۔جب دن ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بڑھیا کو بلایا اور حقیقت حال معلوم کی۔اس وقت ان کو پتہ چلا کہ وہ نوجوان بچی تھی جس نے یہ جواب دیا تھا۔یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کو اتنی پسند آئی کہ اس بڑھیا سے کہا کہ اگر آپ کے پاس جوان بچی ہے تو میرے پاس جوان بیٹا ہے، کیوں نہ ہم ان دونوں کا آپس میں نکاح کر دیں۔چنانچہ نکاح ہو گیا اور دلہن اپنے گھر آ گئی۔

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ جب بھی میں گھر میں سے تیار ہو کر جانے لگوں تو دروازے کے پاس کھڑی ہو جایا کرو، اور جب میں گزرنے لگوں تو یہی کلمہ کہہ دیا کرو:

''عمر نہیں دیکھ رہا تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔''

ان پر اس فقرے کا اتنا اثر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے بیٹھے چونک پڑتے اور اچانک کہتے: ''عمر نہیں دیکھ رہا، عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔''

......پھر اللہ کہاں ہے؟

اسی طرح کا واقعہ ان کے بیٹے کے ساتھ بھی پیش آیا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر پہ تھے۔ایک چرواہے کو دیکھا۔اس سے کہا: بھئی! ایک بکری بیچ دو، ہمیں روزہ ہے، افطاری کے لیے ہم اس کو تیار کریں گے، تم بھی کھانا اور ہم بھی کھائیں گے۔اس نے کہا: جناب! میں تو ان کا چرانے والا ہوں، ملکیت تو کسی اور کی ہے۔پتہ چلا کہ وہ چرواہا بھی روزے سے تھا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تجویز پیش کی کہ اگر تم ایک بکری بیچ دو تو تمہاری افطاری کا بھی بندوبست ہو جائے گا اور ہمارے بھی کھانے

کا بندوبست ہو جائے گا۔ اس نے پوچھا: پھر مالک کو میں کیا بتاؤں گا؟ انہوں نے آزمانے کے لیے کہہ دیا: تمہارا مالک کونسا یہاں موجود ہے۔ اس وقت چرواہے نے کہا کہ اگر میرا مالک موجود نہیں ...... وَاَیْنَ اللّٰہ؟ پھر اللہ کہاں ہے؟...... اللہ تو موجود ہے نا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر اس فقرے کا اتنا اثر ہوا کہ اس کے بعد زندگی میں جب بھی ان کو یہ بات یاد آتی تو وَاَیْنَ اللّٰہ کہہ کر اس واقعہ کو یاد کر کے مزے لیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ وہ کیسی امت ہے جس کا چرواہا پہاڑوں کی تنہائی میں بھی بیٹھ کر کہتا ہے ''وَاَیْنَ اللّٰہ۔ اللہ کہاں ہے؟'' تو انہیں خلوتوں میں بھی اللہ یاد ہوتا تھا۔ یاد رکھیں! خلوت اور جلوت میں اللہ کو یاد رکھنا اور اس کا خوف رکھنا، یہ ایمان کامل کی نشانی ہوتی ہے۔

(۲)...... میانہ روی اختیار کرنا:

فقر میں یا غنا میں میانہ روی اختیار کرنا۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا

''کاموں میں سے بہترین کام میانہ روی ہے''

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کھلا مال دے تو بالکل لٹائے نہیں اور اگر تنگی کا معاملہ کرے تو بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے۔ فقر ہو یا غنا، میانہ روی کی زندگی گزارے۔

(۳)...... انصاف کا معاملہ کرنا:

ناراضگی میں یا رضا میں انصاف کا معاملہ کرنا یہ بہت مشکل کام ہے۔ کتنے نیک لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نارمل حالات میں تو انصاف کا معاملہ کر گزرتے ہیں، لیکن جب ناراضگی یا خوشی کا معاملہ آتا ہے تو انہیں انصاف کرنا بھول جاتا ہے۔ اب وہ شریعت کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ ذرا سی ناراضگی ہوئی تو اب اس نارضگی میں ان

کے لیے۔

......غیبت بھی ٹھیک بن گئی

...... بہتان بھی ٹھیک بن گئے

......سینہ میں کینہ رکھنا بھی ٹھیک ہو گیا

کتنی ایسی باتیں جن سے شریعت نے منع کیا، ہم ان کو بھی غصے میں بڑے آرام کے ساتھ کر رہے ہوتے ہیں۔ دراصل بندے کا پتہ ہی اس وقت چلتا ہے جب وہ خوشی یا غصے کے عالم میں ہو۔ جس کی تربیت ہو چکی ہو وہ غصے میں یا خوشی میں ہمیشہ انصاف کا دامن پکڑے رکھے گا۔ وہ کبھی ایسی بات زبان سے نہیں کہے گا جو انصاف سے ہٹ کر ہو گی۔

(۴)......اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا:

تنگی اور خوشحالی میں اللہ رب العزت کی حمد و ثنا بیان کرنا۔ خوش حالی میں حمد و ثنا کرنا آسان ہے اور تنگی میں کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ فاقہ ہو اور پھر بھی انسان اللہ رب العزت کی حمد و ثنا بیان کرے یہ بڑا مشکل کام ہے۔ مگر اللہ والوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے ہر حال میں اللہ رب العزت سے راضی ہوتے ہیں۔

لطفِ سجن دم بہ دم قہرِ سجن گاہ گاہ

ایں بھی سجن واہ واہ اوں بھی سجن واہ واہ

وہ خوشی میں بھی اپنے رب سے راضی اور تنگی میں بھی اپنے رب سے راضی۔ وہ ہر وقت اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کے ساتھ رطب اللسان رہتے ہیں۔

جو شخص یہ چاہے کہ اللہ رب العزت کی جو نعمتیں مجھے ملی ہیں، یہ ہمیشہ باقی رہیں اور ان نعمتوں میں اضافہ ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کثرت سے بیان کرے۔

انبیائے کرام اور حمدِ الٰہی:

انعام یافتہ طبقوں میں انبیائے کرام گزرے ہیں۔ان پر اللہ رب العزت کے خاص خاص انعامات ہوئے۔وہ سب کے سب انبیا اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے تھے۔اس کی دلیل قرآن عظیم الشان سے۔

جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنا چکے تو اس وقت ان کو کیا حکم ہوا؟

﴿ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (مؤمنون: ۲۸)

''جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر بیٹھ جائیں تو اس وقت کہیے گا،سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اولاد مانگی۔پروردگار نے بڑھاپے میں دے دی۔اس نعمت کے ملنے پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کیسے بیان کی؟ قرآن مجید میں ہے۔یوں کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاءِ

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر اپنی بہت نعمتیں بھیجیں۔انہوں نے نعمتوں کو پا کر کیا کہا: فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النمل: ۱۵)

یوں اللہ رب العزت کی حمد بیان کی۔

جنتی لوگوں کی یہ عادت ہوگی کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔

اہلِ جنت اور حمدِ باری تعالیٰ:

پانچ مواقع ایسے ہوں گے جن میں جنتی لوگ دل سے اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہوں گے۔

(۱)...... جب اعلان ہوگا:

﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (یس:۵۹)

''اور اے مجرمو! آج کے دن (میرے نیک بندوں سے) جدا ہو جاؤ۔''

جب مومن کو نیکوں کے ساتھ شامل کرلیا جائے گا اس وقت وہ لوگ کہیں گے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (مؤمنون:۲۸)

(۲)...... پھر دوسرے موقع پر جب پل صراط سے گزرنے کا وقت آئے گا، وہ ایک کٹھن مرحلہ ہوگا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ (مریم:۷۱،۷۲)

اس وقت مومن پر خوف و ہراس ہوگا۔ تو جو مومن اس پل سے بخیریت گزر جائے گا، وہ گزرنے کے بعد کہے گا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہم سے یہ غم دور ہوگیا بے شک ہمارا پروردگار بخشنے والا شکر پسند ہے''

(۳)...... پھر ان جنتیوں سے کہا جائے گا کہ نہر حیات سے غسل کرلو تاکہ اگر قیامت کے دن کی سختی کا ان کے بدن پر کوئی اثر ہے بھی سہی تو وہ دور ہو جائے۔ چنانچہ وہ نہر حیات کے پانی میں جا کر غسل کریں گے۔ یہ جنت میں داخلے کی تیاری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری ہوگی۔ تو غسل کرنے کے بعد ان کو ایک نیا حسن و جمال

ملے گا۔ پھر وہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔ جب وہ جنت میں جارہے ہوں گے تو اس وقت وہ کہیں گے:

﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ﴾ (الاعراف:۴۳)

(۴)..... پھر جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔ وہ کہیں گے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ﴾ (الزمر:۷۴)

(۵)..... پھر جب ان کو گھر مل جائیں گے اور ان گھروں میں وہ اپنی بیویوں کے ساتھ قرار پکڑیں گے، قیام کریں گے، اس وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کریں گے اور کہیں گے:

﴿ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ (یونس:۱۰)

حمدِ الٰہی میں رطب اللسان رہیں گے:

جس طرح یہ مُنْعَمْ عَلَیْهِم لوگ اللہ رب العزت کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی خوب حمد بیان کرتے ہیں اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کی ایسے ہی تعریفیں کریں۔ علما نے لکھا ہے کہ بندے کو جتنی بھی بڑی نعمت مل جائے، اگر اس نے اس نعمت پر الحمد للہ کہہ دیا تو یوں سمجھ لو کہ اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا۔ یہ کون سا مشکل کام ہے بھئی! آج تو جو پیپسی کی بوتل پلائے اس کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، جو چائے کا کپ پلا دے اس کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، اور جو پروردگار ساری زندگی کھلاتا پلاتا اور نعمتیں عطا فرماتا ہے ہم اس پروردگار کا شکر ادا کرنا بھول جاتے ہیں۔ اس لیے یہ عادت بنالیں کہ اللہ تعالیٰ کی جو بھی نعمت ملے اس پر الحمد

للہ کہا کریں۔

......گھر کو دیکھیں تو الحمد للہ

......گھر والی کو دیکھیں تو الحمد للہ

......اولاد کو دیکھیں تو الحمد للہ

......اللہ کے گھر کو دیکھیں تو الحمد للہ

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے کھاتے ہمارے دانت گھس جاتے ہیں، کاش! اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے کرتے ہماری زبان گھس جاتی۔

آج تو یہ حالت ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے کا موقع ہوتا ہے وہاں بھی اس کی تعریف نہیں کرتے۔ اگر کوئی پوچھے کہ کاروبار کیسا ہے تو جواب ملتا ہے، جی بس گزارا ہے۔ حالانکہ اتنا اچھا کاروبار ہوتا ہے کہ اگر یہ چاہے تو مزید چالیس گھروں کے رزق کا بندوبست بھی کر سکتا ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگایئے کہ یہ ناشکری نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اس وقت وہ دل کھول کر اللہ کی تعریفیں کرتا اور کہتا: جی! میں اپنے پرودگار کی تعریفیں کیسے ادا کروں، اس پروردگار نے مجھے میری اوقات سے بڑھ کر عطا کیا ہوا ہے۔

انسان کے چار حالات

دنیا کا ہر انسان چار حالات سے خالی نہیں۔ وہ ان میں سے کسی نہ کسی ایک حال میں ضرور ہوگا:۔

(۱)......اللہ کی بندگی کرنا:

پہلی بات یہ کہ یا تو بندہ پروردگار کی بندگی اور اطاعت کر رہا ہوگا۔ اگر اس حال میں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار سے ان نیک اعمال کی قبولیت مانگے۔ وہ

ایسا بندہ ہے کہ کوئی گناہ نہیں کرتا، ہر کام شریعت و سنت کے مطابق کرتا ہے۔یعنی اگر وہ عبادت گزار ہے، نیکوکار ہے، پرہیز گار ہے تو تب بھی وہ اللہ تعالیٰ سے قبولیت مانگنے کا محتاج ہے۔اس لیے کہ نیکی کر لینے سے کام مکمل نہیں ہوتا، جب تک کہ پروردگار قبول نہ فرمالے۔تو قبولیت کا یہ غم بھی ہونا چاہیے۔قابلیت اور چیز ہے قبولیت اور چیز ہے۔اللہ والوں کے دل میں یہ غم ہوتا ہے کہ ؂

میری قسمت سے الٰہی! پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

چنانچہ وہ دوڑ دوڑ کر اور بھاگ بھاگ کر نیک اعمال کر رہے ہوتے ہیں تا کہ اللہ رب العزت کے حضور پیش کر دیے جائیں اور پرودگار ان کو قبول کر لے۔

امید کی کرن:

یہ کتنی دلچسپ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلیت کو نہیں، قبولیت کو دیکھا جاتا ہے۔اگر قابلیت پر ہی معاملہ ہوتا تو پھر ہم جیسوں کو کون پوچھتا؟اس میں بڑی امید کی کرن موجود ہے کہ جہاں نیک لوگ اپنی قابلیت پر خوش ہوں گے وہاں برے لوگ بھی دل میں امید رکھیں گے کہ مولا کے ہاں قابلیت کا نہیں قبولیت کا معاملہ ہے۔وہ جس کو چاہے قبول کر لے۔

وہ پروردگار جب چاہتا ہے تو فضیل بن عیاض کو ڈاکوؤں کی سرداری سے نکال کر ولیوں کا سردار بنا دیتا ہے۔تو جب یہ پتہ چلا کہ وہاں قبولیت کا معاملہ ہے تو اب ہماری بھی امید بندھ گئی۔اب کوئی آدمی بھی مایوس نہیں ہوسکتا۔مومن بندہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوسکتا۔کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، خطا کار کیوں نہ ہو، کوئی لمحہ اور کوئی دن نافرمانی کے بغیر وہ نہ گزارے، پھر بھی امید کی کرن موجود ہے کہ پروردگار نے ہی قبول کرنا ہے۔جب اس کی رحمت کی نظر پڑ جائے گی تو پھر کوئی گناہ گناہ نہیں رہے

گا، وہ پروردگار گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل فرمادیگا۔

گناہوں کا نیکیوں میں بدلنے کا واقعہ:

ایک آدمی بڑا ہی بدکار تھا...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ایک مرتبہ خیال آیا اور دعا کی: اے اللہ! اس وقت جو بندہ سب سے زیادہ گناہ گار ہے اسے دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمادیا...... یہ ایک بدکار بندہ تھا۔ جو ہروقت جوانی کی مستیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور برائی کے سوا اسے کوئی کام ہی نہیں تھا۔

کچھ عرصے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں دوبارہ خیال آیا اور دعا کی: یا اللہ! جو تیرا بڑا ہی عبادت گزار بندہ ہے اس کو بھی دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فلاں جگہ پر ہے۔ جا کر دیکھا تو یہ وہی بندہ تھا۔

یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے حیران ہوئے اور کہا: پروردگارِ عالم! یہ تو سب سے زیادہ گناہ گار بندہ تھا!۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایک مرتبہ اپنے گھر میں اپنی بیوی کے سامنے تھا۔ کوئی بات ہوئی تو اس کی بیوی نے اس کو کہہ دیا کہ تیرے اعمال تو ایسے ہیں کہ تو تو پکا جہنمی ہے۔ اس نے بیوی کو جواب دیا: ''ہاں! میں اگرچہ بڑا گناہ گار ہوں مگر اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔''

چونکہ اس نے امید والی بات کہی، اس لیے ہماری رحمت جوش میں آئی اور ہم نے اس کے سب گناہوں کو اس کی نیکیوں میں بدل دیا، اس لیے یہ سب سے زیادہ نیکیوں والا بندہ بن گیا۔

جہاں اس قبولیت کے معاملے میں ایک طرف ہمارا دل ڈرتا ہے کہ ہمارے اندر قابلیت نہیں، وہاں دوسری طرف امید بھی بندھتی ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ کوجھے بھی قبول ہو سکتے ہیں۔ جس کو چاہے وہ مولا قبول فرمالے۔

(۲) گناہوں بھری زندگی گزارنا:

دوسری بات یہ ہے کہ یا پھر انسان گناہوں بھری زندگی گزارتا ہوگا۔ اگر ایسی کیفیت ہوتو اللہ تعالیٰ سے توبہ کی توفیق مانگے۔ یاد رکھیں! انسان جتنا بھی گناہگار اور خطا کار کیوں نہ ہو، اس کے گناہ پھر بھی محدود ہیں اور اللہ رب العزت کی رحمت لامحدود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ﴾

''بے شک میری رحمت ہر چیز پر غالب ہے۔''

اس لیے ہر گناہ گار کے لیے معافی کا امکان موجود ہے۔

گناہ گار کے لیے جنت کی بشارت:

بنی اسرائیل کا ایک آدمی بڑا عبادت گزار تھا اور ایک آدمی بڑا گنہگار تھا۔ جب اس عبادت گزار کو پتہ چلا کہ یہ اتنا گناہ گار ہے تو اس کے دل میں اس کے بارے میں نفرت پیدا ہوگئی۔

جب برے آدمی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو اس سے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میرے دل کی تمنا یہ ہے کہ جو یہ نیک بندہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ہی نیک بندوں کے ساتھ میرا حشر فرمادے۔ اس نیک آدمی کو اس بات کا پتہ چل گیا۔ اس کے دل میں تو یہ بات تھی کہ یہ بڑا برا آدمی ہے۔ پھر اس نیک آدمی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: جی! بس دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ مجھے اکٹھا نہ کرے۔ اس کے دل میں یہ یقین تھا کہ یہ گناہ گار ہے اس لیے جہنم میں جائے گا، لہٰذا میں اس کے ساتھ اکٹھا نہیں ہونا چاہتا۔

وہ خود پسندی کے باعث یہ بات کر بیٹھا کہ جی دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ آپ اس گناہ گار کو جنت کی بشارت دے دیجیے، اس نے نیکوں کے ساتھ حشر کی تمنا دل میں رکھی اور اس نیک آدمی کو جہنم کی خبر دے دیجیے، اس لیے کہ اس نے دعا مانگی تھی کہ اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا، اب تو وہ جنت میں ہے اور جنت میں وہ اس کے ساتھ اکٹھا نہیں ہوسکتا، اس لیے اس کو جہنم میں بھیجا جائے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نیک آدمی نیکی پر عجب نہ کرے اور برا آدمی اپنے گناہوں کی وجہ سے مایوس نہ ہو، توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ گناہ کرتا ہی رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اب بھی چاہے تو وہ گناہوں سے توبہ کر کے نیکی کی راہ اپنا سکتا ہے۔

(۳)......خوشحالی میں ہونا:

تیسری بات یہ ہے کہ یا تو وہ خوش حالی میں ہوگا۔ چنانچہ اگر وہ خوش حالی میں ہے تو اللہ رب العزت کا شکر ادا کرے۔ پروردگار کی ایک ایک نعمت کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نعمتوں میں اضافہ فرما دیں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾

(۴)......تنگ دستی میں ہونا:

چوتھی بات یہ ہے کہ یا پھر وہ تنگ دستی میں ہوگا۔ اگر تنگ دستی میں ہو تو پھر اس پر صبر کرے۔ دنیا میں تو مصائب وآلام آتے ہیں۔ اگر انسان ایسے حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھے تو اسے اس پر معیت الٰہی کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (البقرة:١٥٣)

یاد رکھیں! شکر کرنے والا بندہ بھی جنت میں جائے گا اور صبر کرنے والا بندہ بھی جنت میں جائے گا۔

قیامت کے دن عذر ہائے لنگ

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم سے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھیں گے کہ تم نے زندگی کیسے گزاری۔ اس زندگی کے بارے میں مختلف معیار ہوں گے۔

ایک مصروف آدمی کا عذرِ لنگ:

ایک بندہ ایسا ہوگا جو کہے گا: اے اللہ! میں بڑا ہی مصروف آدمی تھا، وقت کا حاکم تھا، ذمہ داریاں بہت تھیں، فرصت ہی نہیں ملتی تھی، بڑے کام ہوتے تھے، اس لیے مجھے تیری عبادت کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے سامنے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پیش فرمائیں گے۔ کہیں گے: دیکھو! یہ بھی میرے بندے ہیں، دنیا میں انہوں نے بھی شاہی وقت گزارا۔ یہ انسانوں کے بھی بادشاہ، جنوں کے بھی بادشاہ، پرندوں کے بھی بادشاہ، پانی اور سمندر کی سب مخلوق کے بادشاہ۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے ایسی زندگی گزاری کہ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی میری نافرمانی نہیں کی۔ اگر یہ ایسی زندگی گزار سکتے تھے تو آپ کیا بہانہ کر رہے ہیں کہ میں بڑا مصروف بندہ تھا اور بڑی ذمہ داریاں تھیں؟

ایک نوکر کا عذرِ لنگ:

ایک بندہ کھڑا ہو کر کہے گا: یا اللہ! میں دنیا کے اندر نوکر تھا اور نوکر تو حکم کا پابند ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے میرا مالک نیکی اور نماز کا موقع ہی نہیں دیتا تھا، میں مجبور

تھا، کیا کرتا؟ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال پیش فرمائیں گے اور کہیں گے: دیکھو! یہ غلام تھے، مگر غلامی میں بھی انہوں نے وہی کام کیا جو میرے حکموں کے مطابق تھا، اگر یہ ایسی زندگی گزار سکتے تھے تو تمہارے پاس کون سا بہانہ ہے؟

ایک فقیر آدمی کا عذرِ لنگ:

ایک آدمی کھڑا ہوگا اور کہے گا: یا اللہ! میں تو دنیا میں فقیر آدمی تھا، میرے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں، میں تو کھانے کو ترستا تھا، میری زندگی کیا زندگی تھی! اللہ تعالیٰ اس کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش فرمائیں گے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سفر پر چلے تو سب کچھ چھوڑ دیا۔ صرف ایک تکیہ اور ایک پیالہ اپنے پاس رکھا۔ تکیہ اس لیے کہ سوتے وقت اس پر سر رکھیں گے اور پانی کا پیالہ اس لیے کہ پانی پینے کے لیے کسی سے مانگنا نہ پڑے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک جگہ ایک آدمی سویا پڑا ہے اور اس نے اپنا بازو اپنے سر کے نیچے رکھا ہوا ہے، تو یہ دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ میں نے تو خوامخواہ تکیے کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے، میں تو اپنے بازو کو بھی تکیہ بنا سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ تکیہ بھی اللہ کے راستے میں دے دیا۔ پھر تھوڑی دور آگے گئے تو دیکھا کہ ایک بندہ پانی پی رہا ہے اور وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں پانی لے کر پی رہا ہے۔ دیکھ کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ پیالہ میرے ہاتھوں میں بنا دیا ہے، میں خوامخواہ اس کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہوں۔ چنانچہ اس پیالے کو بھی اللہ کے راستے میں دے دیا۔ ایسی زندگی تھی۔ مگر ایسی زندگی میں بھی ایک لمحہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی؟

تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش فرما کر کہیں گے کہ اگر وہ ایسی زندگی گزار سکتے تھے تو تمہارے لیے کیا بہانہ ہے۔

ایک بیمار آدمی کا عذرِ لنگ:

ایک آدمی کہے گا: اے اللہ! میری تو صحت ہی خراب رہتی تھی...... جیسے بہانہ بنا لیتے ہیں کہ جی تہجد میں کیسے اٹھوں، مجھے تو کمر میں درد ہوتا ہے، پٹھوں میں درد رہتا ہے، سر میں درد رہتا ہے۔ کسی کو دل کا درد آرام نہیں آنے دیتا اور کسی کو سر کا درد نہیں آنے دیتا...... وہ بندہ کہے گا: جی! میں بڑا ہی بیمار رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے سیدنا ایوب علیہ السلام کی مثال پیش فرمائیں گے کہ دیکھو! ان پر بھی آزمائش آئی۔ اگر اس آزمائش میں انہوں نے صبر کے ساتھ وقت گزارا تو تم ایسے حالات میں صبر کے ساتھ وقت کیوں نہیں گزار سکتے تھے؟

ہاں! وہ بچتے بچتے مرے گا:

ہمیں چاہیے کہ ہم قیامت کے دن کی پیشی کے لیے تیاری کر لیں۔ بالآخر وہ دن آئے گا، کوئی انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔ ایک صاحب نے کسی اللہ والے سے کہا: حضرت! فلاں بندہ تو بس مرتے مرتے بچا ہے۔ کہنے لگے: ہاں! وہ بچتے بچتے مرے گا۔ اس نے پھر کہا: وہ مرتے مرتے بچا ہے۔ انہوں نے بھی دوبارہ کہا: ہاں! وہ بچتے بچتے مرے گا۔ کہاں تک بچے گا، بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ ایک دن ہمیں بھی دنیا سے جانا ہے۔

کاش!

ہمارے اسلاف اس دن کی تیاری کے لیے خوب محنت کرتے تھے۔

کاش! آج ہم اپنے فرائض کا اتنا اہتمام کر لیتے جتنا کہ ہمارے اسلاف نفلی عبادتوں کا اہتمام کرتے تھے۔

کاش! آج ہم حرام کے بارے میں اتنی احتیاط کر لیتے جتنی ہمارے اسلاف

حلال کے بارے میں احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

کاش! ہم گناہوں کی بخشش کا اتنا غم کر لیتے جتنا کہ ہمارے اسلاف اپنی نیکیوں کی قبولیت کا غم کر لیتے تھے۔ ساری رات عبادت کیا کرتے تھے اور صبح کے وقت اس طرح رو رہے ہوتے تھے جیسے یہ بندہ ساری رات کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا رہا ہو۔ کس لیے روتے تھے؟ اس لیے کہ ان کے پیش نظر یہ بات ہوتی تھی:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

''اللہ! ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ تیری عبادت کا حق تھا اور تجھے ایسے نہیں پہچانا جیسے کہ تجھے پہچاننے کا حق تھا۔''

کاش! ہم اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرتے جس سلوک کا ہمارے اسلاف اپنے دشمنوں کے ساتھ مظاہرہ کرتے تھے۔

ہماری زندگیوں میں اور ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں کتنا فرق ہے۔ ہماری زبوں حالی تو یہ ہے کہ ہماری زندگیوں میں جو چھوٹی چھوٹی باتیں پیش آتی ہیں ان میں الجھ کر ہم اپنے پروردگار کی عبادت میں کوتاہی کر جاتے ہیں۔

بکری کی وفاداری:

ذرا بکری کو دیکھو! مالک اسے ایک آواز دیتا ہے۔ جبکہ وہ گھاس چر رہی ہوتی ہے۔ جانور ہے، وہ اپنے مالک کی آواز پر گھاس چرنا چھوڑ دیتی ہے اور آج کا مسلمان اللہ اکبر کی آواز سن کر دنیا کے کاموں کو چھوڑ کر مسجد میں نہیں آتا۔ ہم نے تو مالک کی اتنی وفاداری نہ کی جتنا بکری مالک کی وفادار ہے۔

ایک بچے کے عمل میں پوشیدہ سبق:

ایک آدمی چھوٹے بچے کو کسی بزرگ کے پاس لایا۔ اس کی جیب میں کوئی میٹھی

چیز تھی۔انہوں نے اس بچے کو دی تو بچے نے نظریں ہٹالیں۔تھوڑی دیر بعد پھر انہوں نے وہ چیز پیش کی مگر بچے نے پھر نظریں ہٹالیں۔حالانکہ بچے کو تو میٹھی چیز کھانے کی بہت طلب ہوتی ہے۔لیکن بچے نے میٹھی چیز کی طرف نہیں دیکھا، بلکہ اپنے باپ کے چہرے کی طرف دیکھا کہ ابو کیا کہتے ہیں۔جب یہ معاملہ ہوا تو ابو نے کہا: بیٹا! لے لو، لے لو۔اب اس بچے نے میٹھی چیز لے لی اور کھالی۔ان بزرگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔وہ آدمی کہنے لگا: حضرت! مجھ سے کوئی بے ادبی ہوگئی؟ خیر تو ہے، آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آگئے؟ وہ فرمانے لگے اس بچے کے عمل سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ میں نے بچے کو اس کی مرغوب چیز پیش کی، بچے نے اس کی لذت کی طرف نہیں دیکھا، بلکہ باپ کے چہرے کی طرف دیکھا کہ ابا کیا کہتا ہے۔ہمارے سامنے بھی تو مختلف چہرے گزرتے ہیں، ہم بھی ان نمکین چیزوں کو دیکھنے کی بجائے اپنے ''ربا'' کی طرف نظر کرتے کہ ہمارے پروردگار ہمیں کیا کہتے ہیں؟ بچہ تو میٹھی اور مرغوب چیز کو چھوڑ کر باپ کی طرف دیکھتا ہے، کیا ہم نے بھی کبھی کوئی ایسا چہرہ چھوڑ کر اپنے رب کی طرف دیکھا کہ پروردگار! آپ کا حکم کیا ہے؟

پریشانی میں بھی خدا فراموشی......!!!

آج ذرا کسی سے سوال پوچھ کر تو دیکھیں، جی! آپ مسجد میں کیوں نہیں آتے، جواب ملے گا: جی بس تھوڑی سی پریشانی ہے، ذرا یہ دور ہو جائے تو پھر میں مسجد میں آؤں گا۔کیا مطلب؟ تھوڑی سی پریشانی آنے پر ہم جس گھر کا دروازہ سب سے پہلے بھولے وہ خدا کا گھر تھا۔یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تھوڑی سی پریشانی آنے پر اپنے پروردگار کے گھر کا دروازہ بھول جاتے ہیں۔مسجد میں آتے ہی نہیں۔جی تھوڑی سی پریشانی ہے، ٹھیک ہوگئی تو آؤں گا۔

چار وظیفے

اکثر دوست فون کر کے یا خط لکھ کر وظیفے پوچھتے رہتے ہیں۔چلیں آج آپ کو چند ایک قرآنی وظیفے بتا دیں تاکہ آپ کی پریشانیاں بھی دور ہوں اور آپ خوش ہو جائیں۔یہ قرآنی وظیفے مجرب اور آزمودہ ہیں،مگر دل کے یقین کی ضرورت ہے۔

اگر آج ہم کسی مردے پر کہیں...... قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ......تو کیا وہ کھڑا ہو جائے گا؟ ہمارے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہنے سے تو سویا ہوا نہیں جاگتا،مویا ہوا کیا اٹھے گا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہی الفاظ مردے پر پڑھا کرتے تھے اور وہ کھڑا ہو جاتا تھا۔اب الفاظ تو وہی ہیں،ان میں کوئی فرق نہیں ہے،الفاظ ادا کرنے والی زبان کا فرق ہے۔یہی آیتیں اور یہی الفاظ ایک مخلص بندے کی زبان سے نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تاثیر پیدا کر دیتے ہیں اور غافل بندے کی زبان سے نکلتے ہیں تو تاثیر سے خالی رہتے ہیں۔عمل تو سو فیصد پکے ہیں لیکن دل کے یقین کی ضرورت ہے۔قرآن عظیم الشان میں اس کی دلیل موجود ہے۔

(۱)......مصیبت زدہ کے لیے:

جو انسان بڑا ہی غم زدہ ہو،مصیبت کا مارا ہو،پریشانیوں میں مبتلا ہو،دل پر غم اور خوف طاری ہو،مصیبت میں جکڑا ہوا ہو اور کہیں سے اسے امید کی کرن نظر ہی نہ آتی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ پڑھے:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (انبیاء:۸۷)

اس لیے کہ قرآن مجید میں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

دیکھا! قرآن گواہی دے رہا ہے۔ان الفاظ کے ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے

حضرت یونس علیہ السلام کو غم سے نجات عطا فرما دی۔

بھئی! حضرت یونس علیہ السلام تو مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تھے۔اور

☆......کئی لوگوں کے لیے ان کی دکان مچھلی کا پیٹ بن جاتی ہے۔دکان ان کی جان ہی نہیں چھوڑتی۔

☆......کسی کے لیے گھر مچھلی کا پیٹ بن جاتا ہے۔وہ مصیبت میں گھرے ہوتے ہیں۔ان کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں ہوتے۔

☆......کسی کے لیے اپنی ذات ہی مچھلی بنی ہوتی ہے۔ان کا اپنا نفس ہی قابو میں نہیں آتا۔

ہم جس مچھلی میں بھی گرفتار ہوں، ہم اگر صمیم قلب کے ساتھ لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اَنْـــتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مچھلی کے پیٹ سے باہر نکال دیں گے۔

(۲)......کام سنوارنے کے لیے:

جس آدمی کے کام الجھ جائیں اور سیدھے ہی نہ ہوتے ہوں، وہ ہر ممکن کوشش بھی کرے مگر کام سنورتے ہی نہ ہوں تو وہ ﴿ حَسْبُنَــا اللّٰـــهُ وَ نِـعْـمَ الْـوَكِـيْـلُ ﴾ پڑھے۔کیوں؟ اس لیے کہ جب بندہ یہ الفاظ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴾ (آل عمران:۱۷۴)

دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمتوں کے ساتھ لوٹایا۔چنانچہ اگر کوئی مصیبت میں پھنسا ہوا آدمی یہ الفاظ خلوصِ دل کے ساتھ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتوں کے ساتھ واپس لوٹائے گا۔

(۳)......حاسدین کے شر سے بچنے کے لیے:

کچھ لوگوں کو حسد کی بیماری ہوتی ہے۔

......انہیں خواہ مخواہ کا بیر ہوتا ہے

......کسی کو اچھے حال میں دیکھ نہیں سکتے

......ان کے اندر مروڑ اٹھتا ہے

......ان کے سینوں میں کینہ ہوتا ہے

......ان کو دوسرے کا رزق اچھا نہیں لگتا

......دوسرے کی عزت اچھی نہیں لگتی

......صحت اچھی نہیں لگتی

......ان کے بیٹے کا رشتہ اچھی جگہ ہو جائے تو یہ اچھا نہیں لگتا

......بیٹی کا رشتہ اچھی جگہ ہو جائے تو یہ اچھا نہیں لگتا

......ان کا بیٹا تعلیم میں اچھے نمبر لے لے تو یہ بھی اچھا نہیں لگتا

......کوئی نیک بن جائے تو اس کی نیکی بھی ان کو اچھی نہیں لگتی

......کوئی دین کا کام کرنے والا ہو تو اس کا دین کا کام بھی ان کو اچھا نہیں لگتا

حسد ایسی بری بلا ہے۔ چنانچہ

......اگر کسی کا حاسدین سے واسطہ ہو

......دوستی کے رنگ میں دشمنی کرنے والوں سے واسطہ ہو

......مکر سے خوف زدہ ہو

تو اس کو چاہیے کہ کثرت سے یہ پڑھے:

﴿ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ﴾ (المؤمن:۴۴)

کیوں؟ اس لیے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ (المؤمن:۴۵)

دیکھا قرآن پاک گواہی دے رہا ہے کہ یہ الفاظ ادا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مکر سے بچالیا۔ دشمنوں کی تدبیروں سے بچالیا۔

(۴)......حصولِ جنت کے لیے:

جو آدمی دل میں جنت کی تمنا رکھے، اسے چاہیے کہ وہ کثرت سے یہ پڑھے:

مَاشَآءَ اللّٰهُ

قرآن مجید میں ہے کہ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنے کے جواب میں فرمایا گیا:

﴿فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾ (الکھف:۴۰)

اللہ تعالیٰ تیرے باغ سے تجھے بہتر باغ عطا فرمادے۔

تعویذوں اور دھاگوں کا چسکا:

ذرا سوچیں کہ اب یہ الفاظ کہنے کونسا مشکل ہوتے ہیں۔ مگر آج ہمیں تعویذوں اور دھاگوں کا چسکا ہوتا ہے۔ عاملوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں...... ایمان کا خطرہ...... اللہ بچائے ان عاملوں سے...... اِلا ماشاء اللہ...... نیک لوگ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ ڈھونگ رچائے بیٹھے ہوتے ہیں، انہوں نے اسے اپنا کاروبار بنا رکھا ہوتا ہے۔

مردوں کی بجائے عورتیں ان کے پیچھے زیادہ بھاگتی ہیں۔ وہ بھی ایسے ٹیکنیکل قسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ آگے سے جواب دیتے ہیں:

......ہاں! کچھ اثر نظر آتا ہے۔

......لگتا ہے کسی نے کچھ کیا ہوا ہے۔

جب وہ یہ الفاظ کہہ دیتا ہے کہ کسی نے کچھ کیا ہوا ہے تو باقی سٹوری تو بنی بنائی ان کے ذہن میں پہلے ہی موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ

......کوئی کہتی ہے: نند نے کر دیا

......کوئی کہتی ہے: ساس نے کر دیا

......کوئی کہتی ہے: میری فلاں پڑوسن نے کر دیا

سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں: حضرت! فلاں عالم نے بتایا ہے کہ جادو ہے۔ بھئی! اگر جادو ہے تو اس کا توڑ کیوں نہیں کر دیتے؟ کہتے ہیں: جی جادو سخت ہے اس کا توڑ نہیں ہو سکتا لیکن ہے سہی۔ خواہ مخواہ دوسروں کو کنفیوز کر دیتے ہیں۔

کسی کو کہتے ہیں: جی! آپ کے اوپر جن کا اثر ہے۔ اچھے بھلے بندے کو کنفیوز کر دیتے ہیں کہ جی! کچھ اوپرا اثر نظر آتا ہے۔ بھئی! یہ اوپرا اثر کیا ہوتا ہے؟ جی! کچھ آسیب کا اثر نظر آتا ہے۔

ارے! کلمہ پڑھنے والے بندے! تو جنوں سے ڈرتا پھرتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ جب جنوں کے اجتماعات ہوتے ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کو انسانوں کے بچوں سے بچنے کے وظیفے بتاتے ہوں گے تاکہ تمہیں کسی انسان کے بچے کا اثر نہ ہو جائے۔ اور ہمارا یہ حال ہوتا ہے کہ ہم جنوں سے ڈرتے پھرتے ہیں۔

یاد رکھیں! ایمان وہ نعمت ہے کہ اس نعمت کے صدقے یہ چیزیں انسان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، جب تک کہ پروردگار نقصان نہ پہنچانا چاہے۔ اس لیے سالک کو چاہیے کہ تنگی ہو، مصیبت ہو یا پریشانی ہو، رب کے در کو نہ چھوڑے۔ کوئی ضرورت نہیں ایسے عاملوں کے پیچھے جانے کی۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ پھر ایسی صورت میں انسان کیا کرے۔ایسی صورت میں:

......دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ لیجیے

......روزا اپنے رب کے سامنے دامن پھیلائیے

......قریب میں جو نیک لوگ ہوں ان کو بھی دعاؤں کے لیے کہیے

......پیر استاد کو دعاؤں کے لیے کہیے

......ماں باپ کو دعاؤں کے لیے کہیے

پیر اور مرید کے مانگنے میں فرق:

یاد رکھنا! جس در سے مرید مانگتا ہے اسی در سے پیر بھی مانگ رہا ہوتا ہے۔در ایک ہی ہے۔کوئی الگ راستہ نہیں ہے۔ایک ہی راستہ ہے۔بس اتنا فرق ہوتا ہے کہ جو بار بار مانگتے ہیں ان کو مانگنے کا تجربہ ہو جاتا ہے۔یعنی ان کو رب کے حضور فریاد کرنے کا طریقہ آ جاتا ہے۔پروردگار بھی ایسے لوگوں سے خوش ہوتے ہیں۔حتی کہ فرشتے بھی خوش ہوتے ہیں۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب اللہ کا نیک بندہ دعا مانگتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: میرے پروردگار! یہ تو بڑی جانی پہچانی آواز آ رہی ہے۔اس لیے ہم بھی پروردگار سے ضرور دعائیں مانگیں۔

ایک دعا تو یہ مانگیں:

''اے اللہ! جیسے آپ خوش ہوتے ہیں ہمیں ویسا بنا دیجیے۔''

اگر یہ دعا مانگتے ہوئے دل میں اخلاص ہوگا تو انشاء اللہ یہ دعا کبھی نہ کبھی رنگ لائے گی۔اللہ تعالیٰ پوچھیں گے؟ اے میرے بندے! تو نیک کیوں نہ بنا؟ وہ کہے گا: پرودگار! میں نے اپنے آپ کو آپ کے حوالے تو کیا تھا۔میں نے اس وقت صدق دل سے کہا تھا کہ اے مالک! جس طرح آپ خوش ہوتے ہیں مجھے ویسا بنا

دیجیے۔ ممکن ہے اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیں۔

رحمت الٰہی...... محبتوں کا سر چشمہ

اگر اللہ رب العزت کی رحمت کے سو حصے ہوں تو ایک حصہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں تقسیم فرمایا اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے۔ رحمت کے اس ایک حصے کی وجہ سے انسانوں کے اندر محبتیں نظر آتی ہیں۔ ماں کو اولاد سے...... میاں کو بیوی سے...... دوست کو دوست سے...... جانوروں میں...... انسانوں میں...... پرندوں میں آپ کو جو ہمدردی اور محبت نظر آتی ہے، یہ اسی ایک حصے کا تھوڑا سا حصہ ہے جو ایک بندے کو ملا ہے۔ اب بتایئے کہ وہ ایک حصہ کتنا بڑا ہوگا کہ اتنی مخلوق میں تقسیم ہوا۔ اور اس حصے میں سے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا سا ہمیں بھی دیا۔

آج ہمارے سامنے اگر کسی دشمن کو بھی آگ میں ڈالنا ہو تو ہم اس وقت اس کو دیکھ کر پیچھے نہیں ہٹ سکیں گے، بلکہ اس کے بارے میں بھی کہیں گے: بھئی! اس کو چھوڑ دو۔ تو محبت کا وہ حصہ جو ہمیں ملا ہے اس کی وجہ سے آج ہم دشمن کا بھی آگ میں جانا پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ننانوے حصوں کے ساتھ اپنے کلمہ گو بندوں کا جہنم میں جانا کیسے پسند فرمائیں گے؟ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتے۔

بخشش کے بہانے:

اس لیے تو اس نے بخشنے کے لیے ایسے ایسے راستے کھول دیے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر:

(۱)...... نیکی کے ارادے پر اس کے نامہء اعمال میں نیکی لکھ دی جاتی ہے جبکہ برائی کے ارادے سے برائی نہیں لکھی جاتی جب تک کہ وہ برائی کر نہ لے۔

(۲)...... ایک نیک عمل کرنے پر دس نیکیاں اور ایک گناہ کرنے پر ایک گناہ لکھا جاتا

ہے۔اور ساتھ قانون بنا دیا:

﴿ اِنَّ الحَسَنَاتِ یُذهِبنَ السَّیِّئَاتِ ﴾ (ھود:۱)

''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں''

(۳)......روایت میں آیا ہے کہ ایک بندہ گناہ کرتا ہے۔گناہ لکھنے والا فرشتہ دوسرے فرشتے سے پوچھتا ہے: یہ گناہ لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے: نہیں، تھوڑی دیر صبر کرلو۔ پھر دوسرا گناہ کرتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے: لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے: صبر کرلو۔ پھر تیسرا گناہ کرتا ہے، پھر چوتھا گناہ......پھر پانچواں گناہ......وہ بندہ پانچ گناہ کر لیتا ہے۔اتنی دیر گزرنے کے بعد وہ بندہ ایک نیک عمل کر لیتا ہے۔اب ایک نیک عمل پر چونکہ دس نیکیاں ملتی ہیں اس لیے نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ اب پانچ نیکیاں پانچ گناہوں کے مقابلے میں، اور پانچ فالتو......لہٰذا اب ایک عمل پر پانچ نیکیاں نامہ اعمال میں لکھ لو۔ جب پانچ لکھی جاتی ہیں تو شیطان اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں بنی آدم کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہوں کہ میں نے اتنی کوششیں کر کے اتنے گناہ کروائے اور اس کے ایک نیک عمل نے سب گناہ مٹا دیے، الٹا پانچ نیکیوں کا ثواب نامہ اعمال میں لکھوایا۔

جہنمی آدمی کی پہچان:

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میری نعمتیں پائیں اور میرے عذاب سے بچ جائیں۔ہم اپنے پاؤں پر خود کلہاڑیاں مارتے ہیں۔ہمیں اللہ تعالیٰ سے ڈرایا جاتا ہے مگر ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ہمیں باتیں سمجھائی جاتی ہیں، ہم کان ہی نہیں دھرتے۔ سنتے ہی نہیں۔اگر سنتے ہیں تو سمجھتے نہیں۔اس لیے جب جہنمیوں سے فرشتے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ تو وہ آگے سے جواب دیں گے:

﴿ قَالُوا بَلٰی قَدجَاءَ نَا نَذِیرٌ ﴾ (الملک:۹)

''کہیں گے: ہاں آیا تھا ڈرانے والا''

جب ڈرانے والا آیا تھا تو تم نے بات کیوں نہ مانی؟

کہیں گے:

﴿ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴾ (الملک:۱۰)

’’اگر ہم سنتے اور عقل استعمال کرتے تو ہم جہنم والوں میں سے نہ ہوتے۔‘‘

معلوم ہوا کہ جہنمی وہی ہوتا ہے جو سنتا نہیں، اگر سنتا ہے تو سمجھتا نہیں۔ عمل نہیں کر پاتا۔

طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں:

اللہ رب العزت کی رحمت نیکوکاروں کے بہت قریب ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا:

﴿ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

’’بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکار لوگوں کے بہت قریب ہوتی ہے۔‘‘

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہ رو منزل ہی نہیں

یعنی، طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں، وہ تڑپ ہی نہیں ہے۔

ایک عجیب بات:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب بات کیا کرتے تھے۔ سونے کی سیاہی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے تھے:

’’اے ایمان والو! سوچو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت دنیا میں تقسیم ہوئی ہے اور اس ایک رحمت پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایمان اور اسلام جیسی نعمت عطا فرما دی، تو جب قیامت میں سو رحمتوں کا نزول ہوگا تو کتنی نعمتیں عطا کی جائیں گی؟‘‘

اس لیے یہ ایمان اور اسلام والی نعمت ہمارے اوپر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

چھٹکارے کا مدار اللہ کی رحمت پر ہے:

یہ بات دل میں رکھیں کہ ہم جتنے مرضی عمل کر لیں، چھٹکارا اللہ کی رحمت سے ہی ہونا ہے۔ بنی اسرائیل کا ایک عبادت گزار تھا۔ اس نے پانچ سو سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ اس کو اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو۔ وہ کہے گا: اللہ! میں نے تو پانچ سو سال عبادت بھی کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا! اب اس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پیاس لگا دیں گے۔ اس کی وہ پیاس برداشت سے باہر ہو جائے گی۔ وہ ادھر ادھر پانی تلاش کرے گا۔ اس اضطراب کی حالت میں ایک فرشتہ پانی کا پیالہ لے کر اس کے سامنے آئے گا۔ وہ پانی دیکھ کر اپنے بس میں نہیں رہے گا۔ کہے گا: پانی دے دو۔ فرشتہ کہے گا: اس کے بدلے میں قیمت ادا کرو۔ پوچھے گا: کتنی قیمت؟ فرشتہ کہے گا: اتنے سال کی نیکیاں۔ وہ کہے گا: نہیں۔ پھر فرشتہ کہے گا: اتنے سال کی نیکیاں۔ ادھر پیاس بڑھتی جائے گی اور فرشتہ نہیں نہیں کہتا رہے گا۔ حتی کہ کرتے کرتے ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ یہ کہے گا کہ میں پانچ سو سال کی عبادت کی نیکیاں دیتا ہوں مجھے پانی کا ایک پیالہ پینے دو۔ تب پروردگار فرمائیں گے:

> ”میرے بندے! تیری پانچ سو سال کی نیکیاں میرے پانی کے ایک پیالے کی قیمت نہ بن سکیں، اور تو نے تو زندگی میں کتنے پیالے پانی پیا تھا۔ تو نے کتنی نعمتیں استعمال کی تھیں!؟ تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ تو نے میری نعمتوں کا حق ادا کر دیا ہے۔“

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دل میں پکا یقین رکھیں کہ ہم اللہ کی رحمت سے ہی جنت میں جائیں گے۔ عمل اس لیے کرنا ہے کہ یہ پروردگار کا حکم ہے۔ مگر ان اعمال پر

بھروسہ نہیں ہے...... ہم کیا، ہماری عبادت کیا! بس یہ اللہ کی رحمت ہے۔

شیطان کی حسرت:

اللہ رب العزت مومن بندے کے گناہ جلدی معاف فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ (زمر:۵۳)

''اے نبی کہہ دیجیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا''

اب خود پروردگار فرماتے ہیں کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ علما نے لکھا ہے کہ بعض گناہ گاروں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اتنا اجر عطا فرمائیں گے کہ اس کو دیکھ کر شیطان حسرت کرے گا۔ کاش! میں نے دنیا میں ان سے گناہ کروائے ہی نہ ہوتے۔ اس لیے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت کا ظہور ہوگا اور اللہ تعالیٰ معاف کر کے خوش ہوں گے۔

اجتماعی توبہ کی فضیلت:

یاد رکھیں! اگر ہم گھر میں توبہ کریں گے تو کیا پتہ، قبول ہو کہ نہ ہو، لیکن جب اجتماعی طور پر معافی مانگیں گے اور توبہ کریں گے تو توبہ قبول ہونے کے چانسز زیادہ ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ اگر جماعت میں سے کسی ایک بندے کی نماز قبول ہو جائے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ باقی نمازیوں کی نماز بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ تو گویا اگر ہم نے اس محفل میں اپنے گناہوں سے سچی توبہ کی اور ایک بندے کی بھی توبہ قبول ہو گئی تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ باقی لوگوں کی بھی توبہ قبول فرما لیں گے۔

گناہوں کی سزا دینے میں تاخیر کیوں؟

اللہ تعالیٰ بندے کو گناہوں کی سزا بعض اوقات جلدی نہیں دیتے۔ تاخیر فرما دیتے ہیں۔ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ممکن ہے کہ یہ توبہ کر لے، اور اگر یہ اپنی زندگی میں توبہ نہ کرے تو ممکن ہے کہ اس کی اولاد میں سے کوئی نیک بچہ پیدا ہو جائے جو اس کی مغفرت کی دعا مانگ لے۔

کفار سے بھی مغفرت کا وعدہ......!!!

مومن بندے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ پروردگار عالم کافروں کے بارے میں قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ﴾ (الانفال: ۳۸)

''اے محبوب ﷺ! کافروں سے یہ کہہ دیں کہ اگر یہ رک جائیں، تو حالتِ کفر میں ہونے والے سب گناہوں کو ہم معاف فرما دیں گے۔''

جب کافروں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے توبہ پر مغفرت کا وعدہ فرما دیا تو پھر ایمان والوں کے لیے مغفرت کا کتنا بڑا وعدہ ہوگا۔ اس لیے ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں۔

ایک نوجوان کی مغفرت کا اعلان:

ایک مرتبہ ایک نوجون نبی ﷺ کی خدمت میں روتا ہوا آیا۔ پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: جی! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ مجھے زمین قبول کرے گی نہ آسمان، میرا کیا بنے گا؟ پوچھا: ہوا کیا؟ کہنے لگا: جی! میں کفن چور تھا۔ ایک نوجوان لڑکی کی لاش دفن کی گئی۔ میں نے جب اس کا کفن اتارا تو شیطان غالب آ گیا اور میں نے اس کی مردہ لاش کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کر لیا اور جب میں

وہاں سے آنے لگا تو مجھے ایسے آواز آئی کہ جیسے وہ مجھے کہہ رہی ہے، اے بندے! تجھے اتنی حیا نہ آئی کہ تو نے مجھے اس حالت میں کھڑا کیا کہ میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے جنابت کی حالت میں پیش کی جاؤں گی۔ اس کا یہ خیال میرے ذہن میں ایسا جم گیا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ میرا یہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔

نبی علیہ السلام نے جب سنا تو آپ ﷺ نے بھی غصے کا اظہار فرمایا کہ تو ایسا ہے، تو نے اتنا برا کام کیا ہے۔ جب نبی علیہ السلام نے غصے کا اظہار کیا تو وہ نوجوان وہاں سے چلا گیا۔

اس نے ویرانے میں جا کر رونا شروع کر دیا۔ اللہ کے حضور معافی مانگنا شروع کر دی۔ وہ سجدے کرتا۔ گناہ تو کر بیٹھا مگر احساسِ ندامت بھی ہو گیا۔ جب اس نے خوب اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی تو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ پر وحی اتاری، جس میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی یہ الفاظ لکھتے ہیں: فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ جا کر پوچھے:

''اے میرے محبوب! ان بندوں کو میں نے پیدا کیا یا کسی اور نے پیدا کیا؟''

نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔

پھر پوچھا: تو ان کے گناہوں کو میں نے بخشنا ہے یا کسی اور نے بخشنا ہے؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہی بخشنا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب یہ میرے بندے ہیں اور گناہوں کو میں نے ہی بخشنا ہے تو اس نوجوان نے مجھ سے اتنی معافی مانگی ہے کہ میں اس نوجوان کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں۔

نبی علیہ السلام نے ایک صحابی کو بھیجا کہ جاؤ، اس نوجوان کو بشارت دے دو کہ

اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ معاف فرما دیا ہے۔...... واہ میرے مولا!...... آپ کتنے کریم ہیں کہ جو بندہ صدق دل کے ساتھ معافی مانگتا ہے، آپ اس کے ہر گناہ کو معاف فرما دیتے ہیں۔

ایک بت پرست پر رحمتِ الٰہی کا ظہور:

ایک آدمی بت پرست تھا۔ وہ کسی مشکل میں پھنس گیا۔ وہ یا صنم یا صنم کی تسبیح کرتا رہا۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو ذرا اونگھ آنے لگی۔ تو اونگھ کی وجہ سے یا صنم کی بجائے اس کے زبان سے ''یا صمد'' کا لفظ نکل آیا۔ جیسے یہ اس کی زبان سے یا صمد کا لفظ نکلا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور پروردگار نے پوچھا:

لَبَّیْكَ یَا عَبْدِیْ!

''اے میرے بندے! تو کیا چاہتا ہے؟''

اس پر فرشتے بڑے حیران ہوئے۔ پوچھا: اللہ! یہ تو بت پرست ہے، ساری رات بتوں کو پکارتا رہا اور انہی کی پرستش کرتا رہا، اور اونگھ کی وجہ سے آپ کا نام اس کی زبان سے نکل آیا اور آپ کی رحمت فوراً متوجہ ہو گئی؟ اس کے جواب میں رب کریم نے فرمایا: اچھا! یہ بندہ اپنے بتوں کو پکارتا رہا، بتوں نے پوری رات کوئی جواب نہ دیا، بھلے میرا نام اس کی زبان سے نیند کی وجہ سے نکلا، اگر میں بھی جواب نہ دیتا تو مجھ میں اور بتوں میں کیا فرق رہ جاتا؟

پھر میں تیرے در پر کیسے آؤں؟

ایک اللہ والے تھے۔ وقت کے بادشاہ نے انہیں پیغام بھیجا کہ میں آپ کے لیے یہاں محل میں آپ کے قیام کا بندوبست کرتا ہوں لہٰذا آپ میرے پاس ٹھہریں۔ انہوں نے جواب بھیجا: جناب! بالفرض میں آپ کے ہاں آؤں اور آپ

اپنے ہی گھر کی کسی عورت کے ساتھ مجھے برائی کی حالت میں دیکھیں تو بتائیں کہ آپ کیا کریں گے؟ جب بادشاہ نے یہ سنا تو بڑا غصہ آیا اور کہا کہ یہ ایسا شقی بندہ ہے، ایسی سوچ رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے غصے سے بھرپور جواب بجھوایا: اس کے بعد ان اللہ والوں نے بادشاہ کو جواب بجھوایا: ''جناب! میں نے تو امکان پیش کیا تھا، اس امکان پر آپ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ ساتھ رکھنے کو تیار نہیں ہیں، جب کہ میرا پروردگار مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن وہ مجھے اپنی بندگی سے باہر نہیں نکالتا...... میں اس پروردگار کا در چھوڑ کر تیرے در پر کیسے آؤں؟

ہم اس پروردگار کے در پر آج حاضر ہیں۔ ہم موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ جتنے بھی گناہ ہیں اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرمادیں گے۔ جب اس مالک کی رحمت کی ایک نظر اٹھے گی تو ہمارے گناہ نیکیوں میں تبدیل کردیے جائیں گے۔

ایک عجیب دعا:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جب بھی مسجد کے دروازے پر آتے تو ایک عجیب دعا مانگا کرتے تھے۔ وہ دروازے پر آکر رک جاتے اور یہ فرماتے؟

> ''اے پروردگار! ایک بدکار تیرے دروازے پر حاضر ہے، آپ نے حکم فرمایا کہ اچھے لوگ بروں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کریں، لہٰذا اے پروردگار! آپ اچھے ہیں، میں برا ہوں، تو اپنی اچھائیوں کے صدقے میرے ساتھ بھی اچھا معاملہ فرمادیں۔''

لمحۂ فکریہ:

اس لیے میرے دوستو! اگر ہم مسجد میں آکر بھی اپنے گناہ نہیں بخشوا سکیں گے تو

پھر ہم کہاں بخشوائیں گے! میرے دوستو! اگر کوئی بندہ مندر سے نکل کر جہنم میں جائے تو اس پہ حسرت نہیں، حسرت تو اس پہ ہے جو مسجد سے نکل کر جائے اور اس کی توبہ قبول نہ ہو اور اسے پھر جہنم میں بھیج دیا جائے۔ اب ہم اللہ کے در پر بیٹھے ہیں، اس در سے ہٹ کر بھی ہم جہنم میں پہنچیں گے!!! آج وقت ہے اپنے رب سے معافی مانگنے کا، آج وقت ہے اپنے گناہوں کو بخشوانے کا۔ وہ پروردگار چاہتا ہے کہ میرے بندے معافی مانگیں۔ اس لیے فرمایا:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (زمر:۵۳)

پروردگار فرماتے ہیں کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ یہ پروردگار کا اعلان ہے۔ آج ہم سب پروردگار کے دروازے پر حاضر ہیں، مانا کہ ہم مجرم ہیں، ہم نے خطائیں کیں، میرے مالک! ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، خطاؤں سے معافی مانگتے ہیں، اے مالک! ہم بہت برے ہیں اور آپ بہت اچھے ہیں اور آپ نے حکم دیا کہ اچھے بروں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کریں، اے مالک! آج ہمارے ساتھ اچھائی کا معاملہ فرما دیجیے۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجیے۔ رب کریم! ہماری توبہ قبول کر لیجیے۔ اے بدبختوں کو نیک بخت بنانے والے! اے شقی کو سعید بنانے والے! اے دوزخ سے نکال کر جہنمیوں کو جنت میں بھیجنے والے! اپنے بندوں پر رحم فرما اور ان کے گناہوں کو معاف کر دے۔ اے اللہ! ہمارے دل سخت ہیں، ہمیں اپنے گناہوں پر رونا نہیں آتا، آنکھیں خشک ہو چکی ہیں، مالک ہمیں چاہیے تھا کہ یہ آنکھیں بہہ پڑتیں، یہ دل موم ہو جاتے اور ہم دل کی گہرائیوں سے معافی مانگتے۔ رب کریم! اس دل کی سختی کو آپ ہی دور کر سکتے ہیں۔ رب کریم! رحمت کا معاملہ فرمایئے اور ہماری توبہ قبول فرما لیجیے۔ (آمین ثم آمین)

﴿ اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا
اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ ﴾

علم حدیث

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامع مسجد زینب، معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

دورۂ حدیث کے طلبا جو احادیث مبارکہ پڑھیں گے، اس کلام کے ذریعے ان کی اللہ کے محبوب ﷺ سے ایک روحانی ملاقات بھی ہو سکتی ہے۔تو عزیز طلبا! ہم نے الفاظ میں پھنسے نہیں رہنا، آگے جانا ہے...... کلام سے ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟...... متکلم تک پہنچنا ہے۔ لہٰذا مزہ تو یہ ہے کہ حدیثِ مبارکہ کے اس سال میں ہمیں نبی علیہ السلام کی ایسی محبت نصیب ہو جائے اور سنت پر ایسی استقامت نصیب ہو جائے کہ ہم اللہ کے محبوب ﷺ کے عشق میں ڈوب جائیں۔ پھر پڑھنے کا مزہ ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

علم حدیث

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ،اَمَّا بَعْدُ

وَ بِالسَّنَدِ الْمُتَّصَلِ مِنِّىْ اِلَى الْاِمَامِ الْهَمَّامِ يَقُوْلُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرِ ذُوْالْفِقَار اَحْمَدْ حَدَّثَنِىْ حَضْرَةُ الْاُسْتَاذْحَافِظُ الْقُرْآنِ وَ الْحَدِيْثِ مَوْلَانَا مُحَمَّدْ جَعْفَرْ بْنُ مُحَمَّدْ اَمِير قَالَ حَدَّثَنِىْ حَضْرَةُ الْاُسْتَاذْ مَوْلَانَا شَيْخ مُحَمَّدْ مَالِكْ كَانْدهلَوِىْ نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهٗ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ مُحَمَّدْ اِدْرِيْس قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ مُحَمَّدْ اِسْمٰعِيْلْ قَالَ حَدَّثَنِىْ عَلِىُّ بْنُ الظَّاهِرِ الْوَتْرِىْ الْمَدَنِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدْ عَابِدْ قَالَ حَدَّثَنِىْ صَالِحُ الْعُمْرِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ سَنَةَ الْعُمْرِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ الْعَجَلِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ قُطْبُ الدِّيْنْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِىْ الْمُعَمَّرُ الشَّيْخُ يُوْسُفُ هَرَوِىْ اَلْمَشْهُوْرُ بِسَه صَدْ سَالَه قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ شَادْ. قَالَ حَدَّثَنِىْ يَحْيَى بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفُ الْفِرَبْرِىْ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَّاسِعَة قَالَ حَدَّثَنِىْ الشَّيْخُ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْحُجَّةُ اَمِيرُ الْمُوْمِنِيْنَ فِىْ الْحَدِيْثِ وَ سَيِّدُ الْمُحَدِّثِيْنَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُغِيْرَةَ الْجُعْفِىِّ الْبُخَارِىْ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً

بَابْ :كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ قَوْلُ اللّٰهِ

عَزَّ وَ جَلَّ: اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِنِ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ: اَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيُّ: اِنَّهٗ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصِنِ اللَّيْثِيْ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَ اِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَّانَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا، اَوْ اِلَى امْرَاَةٍ يَّنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَاهَاجَرَ اِلَيْهِ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

علم حدیث:

طالب علم کے ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ علم حدیث کسے کہتے ہیں؟ تو علما نے علم حدیث کی تعریف یوں کی ہے:

"عِلْمٌ يُدْرَكُ بِهٖ اَقْوَالُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَفْعَالَهٗ وَاَحْوَالَهٗ وَاَقْوَالُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَاَفْعَالَهُمْ وَ اَحْوَالَهُمْ"

"وہ علم جس کے ذریعے ہم رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کو جان سکیں اور اس کے ذریعے صحابہ اور تابعین کے اقوال، افعال اور احوال کو بھی جان سکیں"

یہاں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

......رسول اللہ ﷺ کے اقوال

......رسول اللہ ﷺ کے افعال

......رسول اللہ ﷺ کے احوال

اور اس کے بعد بات کو آگے بڑھایا کہ صحابہ اور تابعین کے اقوال، افعال اور احوال کو بھی جان سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تین زمانے ایسے ہیں جن کو خیر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان کا نام ہے...... **قرون ثلاثة مشهود لها بالخير** ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس زمانے میں خیر کے غالب ہونے کی خوش خبری عطا فرمائی، فرمایا:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اور پھر جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور پھر جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے''

تو صحابہ کا زمانہ، پھر تابعین کا زمانہ اور پھر تبع تابعین کا زمانہ۔ ان تینوں زمانوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیر کے غالب ہونے کی خوشخبری عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا اس زمانے کے لوگوں کے اقوال، افعال اور احوال بھی علمِ حدیث میں شامل کیے گئے ہیں۔

دیکھیں! ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل کو سنت کہتے ہیں، مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی لفظ صحابہ کے لیے بھی استعمال فرمایا، چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

''تمہارے اوپر میری سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے''

تو صحابہ کے طریقے کے لیے بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنت کا لفظ ارشاد فرمایا۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْد سَنَّ لَکُمْ سُنَّةً

''تمہارے لیے ابنِ مسعود نے ایک طریقہ جاری کر دیا''

تو ان کے عمل پر بھی سنت کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس لیے ہم اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، کہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر بھی عمل کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے عمل کو بھی اپنے لیے معیار سمجھتے ہوئے اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت کے تہتر فرقے بنیں گے اور ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہوگا...... ناجیہ نجات پانے والے کو کہتے ہیں...... صحابہ نے پوچھا: کہ وہ ناجیہ فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا:

مَا اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ

''جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں''

اس طریقے پر جو چلے گا وہ نجات پانے والا ہوگا۔

تو علمِ حدیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، افعال اور احوال کے ساتھ ساتھ صحابہ اور تابعین کے اقوال، افعال اور احوال بھی آئیں گے۔ چنانچہ جب آپ حدیث پاک کی کتاب پڑھیں گے تو اس میں جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ملیں گے وہاں تابعین کے اقوال بھی ملیں گے۔ جیسے بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال الحسن'' یہاں حسن بصری مراد ہیں جو تابعین میں سے ہیں اور ان کا نام بھی شامل ہے۔

علمِ حدیث کی فضیلت:

ایک اور سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ علمِ حدیث کی فضیلت کیا ہے؟ کیونکہ جب انسان کسی علم کو پڑھتا ہے تو اس علم کے پیچھے اس کی فضیلت ہوتی ہے جو اسے علم کے حاصل کرنے پر برانگیختہ کر رہی ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

ارشاد فرمایا:

نضر الله عمرا سمع مقالتي فو......ثم...... كماسمعها

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات کو سنا، اس کو محفوظ کیا اور اس کو لوگوں تک اسی طرح پہنچایا جیسا کہ سنا تھا''

یعنی جو شخص اس علم کو حاصل کرے گا، اپنے دل میں محفوظ کرے گا، اپنے عمل کے ذریعے محفوظ کرے گا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچائے گا، اس کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مستقل ایک دعا ہے۔ ذرا غور کریں کہ یہ کتنی پیاری دعا ہے! چہرہ تو تروتازہ تب ہوگا جب نہ کوئی پریشانی ہو، نہ خوف ہو، نہ مصیبت ہو اور پھر دل میں سکون بھی ہو، ورنہ تو اچھے بھلے بندے کا چہرہ مرجھا جاتا ہے۔ تو دیکھیے کہ لسانِ نبوت سے کیسی پیاری دعا نکلی ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی،

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ

''اے اللہ! میرے خلفا پر رحم فرما''

قِيْلَ: وَمَنْ خُلَفَاءُكَ

''پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپ کے خلفا کون ہوں گے؟''

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَرْوُوْنَ اَحَادِيْثِيْ

''جو لوگ میری احادیث کی آگے روایت کریں گے''

اسی لیے کہتے ہیں کہ علما انبیا کے نائب ہوتے ہیں۔ ورثائے انبیا ہوتے ہیں۔ تو یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ اس علم کو حاصل کرنا، محفوظ کرنا اور اس کو آگے پہنچانا، اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے ایسی بشارت ملی ہے۔ یہ بشارت

سن کر تو جی چاہتا ہے کہ اس علم کی خدمت میں انسان اپنی زندگی ہی لگا دے، اپنی جوانی کو کھپا دے۔ ہمارے اکابر نے ایسا ہی کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری رحمہ اللہ کون تھے؟

اس علم کے حصول کے لیے اس وقت جو کتاب ہم پڑھ رہے ہیں یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے..... چنانچہ ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کون تھے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ازبکستان کے ایک شہر ''بخارا'' میں پیدا ہوئے.....اس بخارا کا تعلق ماوراء النہر کے علاقے سے ہے۔ یعنی ہمارے اور ان کے درمیان ایک دریا آتا ہے۔ جیسے ہم آپس میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہر کے پار سے، اسی طرح ہمارے اکابر نے بھی اس علاقے کا نام ماوراء النہر رکھا کہ نہر کے پار سے.....
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، علماءِ ماوراء النہر میں سے ہیں۔ آپ کا نام محمد بن اسماعیل تھا۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی عمر میں بینائی ختم ہوگئی۔ پھر ان کی والدہ ماجدہ نے ان کے لیے بہت دعائیں کیں اور گڑگڑا کر اللہ کے حضور مانگا۔ حتی کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ خواب میں انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ اس خواب میں ان کو یہ بشارت ملی کہ ان کی بینائی کو لوٹا دیا جائے گا۔ چنانچہ جب خواب سے بیدار ہوئی تو اللہ رب العزت نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی لوٹا دی تھی۔ اس وقت تو ماں نہیں جانتی تھی کہ میرا بیٹا کتنا بڑا انسان بنے گا!

آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے.....اللہ کی شان دیکھیے کہ اس دنیا میں یتیم کو ہی دُرِّ یتیم بنایا جاتا ہے۔ دنیا جن کو بے سہارا سمجھتی ہے، ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص

رحمت ہوتی ہے......ان کے بڑے بھائی کا نام احمد بن اسماعیل تھا۔ پہلے ان کے زیر تربیت رہے اور والدہ ماجدہ بھی تربیت کرتی رہیں۔ سولہ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے ساتھ حج کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس عمر میں ہی آپ کو علم حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ حتی کہ ان کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کی روایتیں بھی کو سولہ سال کی عمر میں یاد تھیں۔ جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے وہاں علمائے عرب سے بھی حدیث پاک کا علم حاصل کیا اور وہاں کافی عرصہ مقیم بھی رہے۔

علم حدیث کے حصول کے لیے آپ نے بہت سفر کیے۔ خراسان، عراق، حجاز، شام، مصر، بغداد، بصرہ اور کوفہ کے علماء سے علم حاصل کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ میں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے اتنی مرتبہ کوفہ گیا کہ مجھے گنتی بھی یاد نہیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ سو اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا۔

پھر اللہ رب العزت نے آپ سے دین کی خدمت کا کام بھی خوب لیا۔ آپ کے شاگرد بڑے بڑے محدثین بنے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ''کتاب التاریخ'' اٹھارہ سال کی عمر میں لکھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں بخاری شریف کی احادیث نوے ہزار شاگردوں کو پڑھائیں۔ اب آپ سوچیے کہ آجکل ایک استاد زندگی میں چند سو بچوں کو پڑھاتا ہے، زیادہ زور لگا لے تو ہزار دو ہزار بچوں کو پڑھا لیتا ہے، انہوں نے نوے ہزار طلبا کو خود یہ احادیث پڑھائیں۔

حفظِ حدیث میں منفرد مقام:

آپ اپنے زمانے میں حافظ الحدیث مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت زیادہ قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لے گئے۔ وہاں کے علماء نے یہ بات بہت مشہور کر دی کہ جی حافظ الحدیث آرہے ہیں...... اس زمانے میں حافظ الحدیث کا بڑا مقام ہوتا تھا۔ ایسی شخصیت جس کو پانچ لاکھ احادیث یاد ہوں اسے حافظ الحدیث کہا جاتا تھا۔ عمر بھی کم تھی مگر مرتبہ بڑا تھا...... جب لوگوں نے مشہور کر دیا کہ یہ حافظ الحدیث ہیں تو کچھ تنقیدی نظر رکھنے والے علما نے سوچا کہ ان کا امتحان لیا جائے کہ واقعی یہ حافظ الحدیث کے معیار پر پورے بھی اترتے ہیں کہ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مل کر یہ پروگرام بنایا کہ دس بندے تیار کرو اور ہر بندہ ان سے دس احادیث کے بارے میں سوال کرے...... احادیث بھی کون سی؟......

متن کہیں سے اور سند کہیں سے۔ اس طرح کا امتحان لیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے حضرت کو اپنے ہاں بلا کر کہا کہ آپ حافظ الحدیث ہیں اور مہربانی فرما کر ہمیں کچھ حدیثیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ ایک بندہ کھڑا ہو کر کہنے لگا: جی، میں نے ایک حدیث پاک سنی ہے، کیا آپ تک یہ بات پہنچی ہے؟ اس کے بعد اس نے ایک حدیث بیان کی۔ اس حدیث میں متن یا سند کے اعتبار سے کوئی غلطی تھی۔ امام صاحب نے سن کر فرمایا: لَا (نہیں)۔ اس نے کہا: اچھا! دوسری حدیث سنیں، اس نے سنائی۔ آپ نے سن کر فرمایا: لَا (نہیں)۔ پھر اس نے تیسری حدیث سنائی، آپ نے فرمایا: لَا۔ اس طرح اس نے دس حدیثیں پوچھیں اور آپ نے ان کے جواب میں لَا کہا۔ پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے دس حدیثیں پوچھیں اور آپ نے ان کے جواب میں لَا کہا۔ اسی طرح دس بندوں نے حدیثیں

بیان کیں...... ذرا سوچیں کہ ان لوگوں نے کتنا نفسیاتی پریشر ڈالا کہ ایک طرف حافظ الحدیث کی مشہوری اور دوسری طرف سے ہر بات پر لا۔ چنانچہ عام سننے والے بھی کہتے ہوں گے کہ یہ کیسا حافظ ہے جس کو آتا کچھ بھی نہیں۔ مگر آپ نے ان کی سو حدیثوں پر لا ہی کہا۔

پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا: دیکھیں! پہلے بندے نے جو پہلی حدیث بیان کی، اس نے یوں پڑھا، اور اس میں یہ غلطی ہے۔ پھر آپ نے صحیح سند اور صحیح متن کے ساتھ وہ حدیثِ پاک سنائی۔ اسی طرح اس کی بیان کردہ دس احادیث سنائیں، ان کی غلطیاں بتائیں اور پھر سند اور متن کی غلطیاں دور کر کے احادیث بیان کیں...... پھر دوسرے کی غلطیوں کی نشاندہی فرمائی...... پھر تیسرے کی غلطیاں بتائیں...... بالآخر ان سو احادیث کو آپ نے صحیح سند اور صحیح متن کے ساتھ سنا دیا۔ علما لکھتے ہیں کہ سو احادیث کا سنا دینا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا، مزے کی بات تو اس میں یہ ہے کہ ان لوگوں نے جو اپنی طرف سے باتیں پوچھیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ سن کر وہ باتیں بھی یاد رہیں اور ان کی ترتیب بھی یاد رہی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے...... اللہ اکبر!!!...... ان کو رجال الحدیث کہتے ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جن کو اللہ رب العزت نے نبی علیہ السلام کا ایسا عشق عطا کیا کہ اس محبت میں ان کی زندگی کا مقصد ہی یہی بن گیا کہ نبی علیہ السلام کے اقوال، افعال اور احوال کو زبانی یاد کیا جائے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لاکھوں احادیث یاد کیں۔

بخاری شریف کی وجہء تالیف:

ذہن میں ایک بات اور بھی آتی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب کیوں لکھی؟ یعنی ہر تالیف کا کوئی سبب ہوتا ہے، اس کی تالیف کا کیا سبب تھا؟...... اس کے جواب میں علما نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا

کہ میں نبی علیہ السلام کے جسم مبارک سے مکھیوں کو اڑا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنا یہ خواب اپنے استاد ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا۔ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تعبیر یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ آپ سے علمِ حدیث میں تنقیح کا کام لیں گے۔ یعنی آپ اس کی صفائی کریں گے اور کھرے کھوٹے کو جدا کریں گے۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا ہی کام لیا کہ انہوں نے بخاری شریف کی تالیف کی۔ اس کتاب کو **اصح کتاب بعد کتاب اللہ** (اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب) مانا گیا۔ تو یہ خواب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کی تالیف کا سبب بنا۔

تالیفِ کتاب میں ادب کا پہلو:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب مدینہ طیبہ میں لکھی۔ ہر ہر حدیث پاک لکھنے سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غسل فرمایا کرتے تھے اور پھر دو رکعت صلاۃ الحاجت پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد وہ حدیث پاک کو لکھا کرتے تھے...... اتنا ادب اور اتنا تقویٰ!!...... پھر اللہ رب العزت قبولیت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

تعدادِ روایاتِ بخاری:

اس کتاب کے اندر کل احادیث کتنی ہیں؟...... اس کے بارے میں علما کی آرا مختلف ہیں:

☆ ...... امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں کل احادیث چھ لاکھ ہیں۔ ان میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ساڑھے سات ہزار احادیث کو جمع فرمایا ہے۔ اگر مکررات کو الگ کر دیا جائے تو ساڑھے تین ہزار احادیث بنتی ہیں۔

☆ ...... علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف کی کل روایات نو ہزار

ہیں۔اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو اڑھائی ہزار احادیث بنتی ہیں۔

شرائطِ رواۃِ بخاری:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حدیث کے رواۃ کے لیے کچھ شرائط تھیں۔اور اس سلسلہ میں وہ بہت زیادہ سخت تھے۔چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ ایک تو راوی کو عادل ہونا چاہیے،ثقہ ہونا چاہیے اور اس کو وہ احادیث یاد بھی ہونی چاہییں۔یہی نہیں کہ وہ یہ کہے کہ مجھے یہ آتی ہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ حافظ بھی ہونا چاہیے۔ایک بات یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کا اپنے استاد سے ملنا، ان سے پڑھنا، یعنی تعلیم و تعلم ،سفر میں یا حضر میں، یہ ثابت ہونا چاہیے۔چنانچہ اگر کسی کا اپنے استاد کے ساتھ ملنا ثابت نہیں ہوتا تھا تو وہ اس سے حدیث پاک نہیں لیا کرتے تھے کہ اس کی یہ سند متصل نہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان شرائط کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے صحیح احادیث کو یکجا کر دیا۔

تدوینِ حدیث:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی محبت کی بنا پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کو بھی یاد رکھتے تھے۔اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے مائیں اپنے بچوں کی باتیں یاد رکھتی ہیں۔آپ کسی ماں کو دیکھ لیں وہ اپنے بچے کی باتیں سنانا شروع کرے گی تو نان سٹاپ سناتی جائے گی۔سننے والے تو بیزار ہو جائیں گے لیکن وہ تنگ نہیں آئے گی، کیونکہ اس کو بچے کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔اس کو بچے کی ادائیں بھی یاد ہوتی ہیں کہ کس موقع پر اس نے کیا کہا، کیا کیا۔تو جس طرح محبت کی وجہ سے ماں کو بچے کی ادائیں بھی یاد ہوتی ہیں اور باتیں بھی یاد ہوتی ہیں، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عاشق تھے۔ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں بھی یاد تھیں اور نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی ادائیں بھی یاد تھیں۔اس طرح وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اداؤں کے محافظ بن گئے۔

چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ میں ہی احادیث کو لکھا کرتے تھے۔ جو سنتے تھے اسے لکھ لیا کرتے تھے۔ جیسے ہم کاغذوں پر نوٹس بنا لیتے ہیں اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات اپنے نوٹس بنا لیتے تھے۔اس لیے ان کے پاس اپنے صحائف تھے اور فارغ وقت میں بیٹھ کر وہ نوٹس پڑھا کرتے تھے اور احادیث کو دہرایا کرتے تھے۔ گویا احادیث مبارکہ لکھنے کا سلسلہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی شروع ہو گیا تھا۔

لیکن ایک ہوتا ہے باضابطہ اور سرکاری طور پر کسی کام کو کروانا، تو یہ کام حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کروایا۔انہوں نے اپنے زمانے میں یہ دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت ساری احادیث اس وقت تو لوگوں کو یاد ہیں، ہو سکتا ہے کہ آنے والے زمانے میں ان کی اولادوں کو اتنی باتیں یاد نہ ہوں، تو بہتر ہے کہ اس کو ابھی محفوظ کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وقت کے ایک بڑے محدث ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث یکجا کرنے کا کام کریں۔تو سرکاری اور مرکزی سطح پر تدوین حدیث کا یہ پہلا قدم تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث لکھنے کا کام شروع کیا۔اس کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔اس کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''الفیہ'' میں چند اشعار میں بیان کیا ہے......الفیہ ہزار اشعار کو کہتے ہیں......اس الفیہ میں انہوں نے چند اشعار میں تاریخ تدوین حدیث بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

اَوَّلُ جَامِعُ الْحَدِيثِ وَالْاَثَر

"اِبنُ شِہاب اٰمَرَ لَه عُمَر"
(پہلے جامع الحدیث ابن شہاب تھے جن کو عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا)

وَ اَوَّلُ الْجَامِعُ لِلاَ بْوَابِ
جَمَاعَةٌ فِي الْعَصْرِ ذُوْ اِقْتِرَابِ

(اور پھر اس کو ابواب کی شکل میں سب سے پہلے جمع کرنے والی محدثین کی ایک جماعت تھی)

كَابْنِ جُرَيْج وَهَشِيْم مَالِك
وَ مَعْمَرْ وَ وَلَدِ الْمُبَارَكِ

(جیسے ابن جریج، ہشام، مالک، معمر اور ابن مبارک)

یہ سارے کے سارے وہ لوگ تھے جنہوں نے پھر اس کو ابواب میں اکٹھا کر دیا۔ یعنی ایک تو یہ ہوتا ہے کہ تمام احادیث کو کاغذ پر لکھ دینا اور ایک ہوتا ہے ان کو ترتیب کے ساتھ لکھنا اور پھر ہر ہر باب کی احادیث کو یکجا کر دینا۔ یہ کام محدثین کی اس جماعت نے کیا...... آگے فرماتے ہیں:

وَ اَوَّلُ الْجَامِعِ بِاقْتِصَارِ
عَلَى الصَّحِيْحِ فَقَطْ الْبُخَارِىْ

(اور پھر اس کو اور زیادہ اچھے انداز سے فقط امام بخاری نے جمع کیا)

"مُسْلِمْ بَعْدَهٗ وَ الْاَوَّلُ
عَلَى الصَّحِيْحِ فِي الصَّحِيْحِ اَفْضَلُ"

(اس کے بعد امام مسلم ؒ نے کتاب لکھی، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاری ؒ کی بخاری شریف (صحت کے اعتبار سے) مسلم شریف سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے)

اللہ تعالیٰ نے تدوینِ حدیث کا یہ مرحلہ پورا کروایا اور اس علم کو اللہ رب العزت نے کتابوں میں محفوظ کروادیا۔ اس کی برکت سے آج ہم بھی یہاں موجود ہیں اور اس وقت بھی ہم ان کتابوں کے ذریعے نبی علیہ السلام کی ان احادیث کو پڑھ سکتے ہیں اور ان پر عمل کر سکتے ہیں۔

صحاحِ ستہ کا انوکھا انداز:

مختلف محدثین نے حدیث کی مختلف کتابوں کی تالیف کی:

......امام بخاری نے بخاری شریف لکھی،

......امام ترمذی نے ترمذی شریف لکھی،

......امام مسلم نے مسلم شریف لکھی،

......امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد لکھی،

......امام نسائی نے سنن نسائی لکھی، اور

......امام ابن ماجہ نے سننِ ابن ماجہ لکھی۔

ہر تالیف کے اندر مؤلف کا ذوق شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے مختلف حضرات سے مختلف کتابوں کو اکٹھا کروایا تو یہ احادیث کا ایک گلدستہ بن گیا۔ جیسے گلدستے میں مختلف پھول ہوتے ہیں، ان کا رنگ بھی مختلف ہوتا ہے، ہر ایک کی خوشبو بھی الگ ہوتی ہے اور ہر ایک کا سائز بھی الگ ہوتا ہے۔ مگر جب ملتے ہیں تو کتنے خوبصورت لگتے ہیں! یہ صحاحِ ستہ کی سب کتابیں اگر یکجا کریں تو یوں سمجھیں کہ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث کا ایک گلدستہ ہے۔ کہتے ہیں کہ،

ہر گلِ را رنگ و بوئے دیگر است

(ہر پھول کا رنگ اور خوشبو دوسرے سے جدا ہوتی ہے)

چنانچہ صحاحِ ستہ کی ہر کتاب کا انداز دوسری سے جدا اور انوکھا ہے۔ اب ذرا اس

کی تفصیل بھی سن لیجیے۔

☆......امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جب مسلم شریف لکھی تو انہوں نے سوچا کہ حدیث پاک کا علم حاصل کرنے کے لیے طالب علم کو اصولِ حدیث کا علم ہونا ضروری ہے تا کہ اس کو پتہ ہو کہ حدیث کے اصول پر کون سی حدیث پورا اترتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مقدمہ لکھا، جو مقدمہء مسلم کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقدمہ میں انہوں نے اصولِ حدیث کی تفصیل بیان فرمائی۔ اور واقعی بات بھی ٹھیک ہے کہ جب اصول ہی سامنے نہ ہوں تو ہم کسی چیز کو پرکھ ہی نہیں سکتے۔ گویا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی فنی معرفت حاصل کرنے پر زور دیا۔

☆......سنن ابن ماجہ کو دیکھیں۔ امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ''عمل بالحدیث'' تھا۔ یہ عمل بالحدیث اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی محبت نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ابتدائی ابواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے بارے میں باتیں کی ہیں...... مقصد کیا تھا؟...... کہ ان احادیث کے ذریعے طالب علم کے دل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت آئے گی اور اس محبت کی وجہ سے وہ پھر ان احادیث پر عمل کر سکے گا۔

☆......امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ''فقہی ترتیب کے مطابق روایات کو جمع کرنا'' تھا۔ مثال کے طور پر فقہی ترتیب میں سب سے پہلے کتاب الصلوٰۃ آئے گی کیونکہ یہ افضل علم ہے، اور نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ طہارت ٹھیک نہ ہو۔ لہٰذا ان تینوں حضرات نے کتاب الطہارۃ سے اپنی کتابوں کی ابتدا کی۔

☆......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب سے جدا اور الگ طریقے سے بخاری شریف کا آغاز کیا۔ انہوں نے کتاب کی ابتدا...... **باب کیف کان بدء الوحی**

الی رسول اللہ ﷺ سے کی......اس کا مقصد کیا تھا؟......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ''احکامِ شریعت کی وضاحت'' تھا۔اور احکامِ شریعت کی وضاحت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک انسان کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ علم کیسے ملا؟ یہ علم انسان کو وحی کے ذریعے ملا۔

حواسِ خمسہ اور حصولِ علم:

انسان کے پاس علم حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔آپ نے سکولوں میں حواسِ خمسہ کے بارے میں تو پڑھا ہوگا......کیوں؟......اس لیے کہ انسان ان حواسِ خمسہ کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے۔چنانچہ انسان کسی چیز کو،

......دیکھتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے،

......سنتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے،

......ہاتھ سے پکڑتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے،

......چکھتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے،

......سونگھتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے۔

گویا یہ سب علم حاصل ہونے کے اسباب ہیں۔اس کی وضاحت بھی سن لیں۔

☆......جب بچہ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو فوراً پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔وہ جو ہر چیز کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے، یہ اس کا علم حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔اس کو انگریزی میں Learning Curve کہتے ہیں۔آپ پوری دنیا کے بچوں کو دیکھ لیں، ان سب میں آپ کو ایک ہی ترتیب نظر آئے گی۔حتیٰ کہ آگ کا انگارہ بھی جب دیکھیں گے تو اسے بھی لپک کر پکڑنے کی کوشش کریں گے۔انہیں کیا پتہ کہ یہ چیز نقصان دہ ہے! وہ سب سے پہلے چیز کو اس لیے پکڑتے ہیں کہ پکڑ کر اندازہ لگائیں کہ یہ چیز نرم ہے یا سخت ہے۔کیونکہ ہاتھ لگانے سے چیز کی نرمی یا سختی کا پتہ چل جاتا ہے۔

☆...... جب ہاتھ لگانے سے چیز کی سختی یا نرمی کا پتہ چل جاتا ہے تو بچے اگلا کام یہ کرتے ہیں کہ اس چیز کو منہ میں ڈالیں گے۔ ہر بچہ ایسا کرتا ہے۔ وہ چکھتا ہے کہ اس کا ذائقہ ہے یا نہیں۔

☆...... پھر جب وہ منہ میں ڈال کر یہ معلوم کر لیتا ہے کہ یہ ذائقہ والی ہے یا بے ذائقہ چیز ہے تو تیسرا کام یہ کرتا ہے کہ اسے زمین پر پھینکتا ہے۔ یہ وہ جان بوجھ کر کرتا ہے۔ اسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ چیز شیشے کی ہے اور ٹوٹ جائے گی، بلکہ وہ اسے نیچے گرا کر اس کی آواز سنتا ہے کہ اس کی آواز کیسی ہو گی۔ اس سے نقصان تو ماں باپ کا ہوتا ہے، بچے کا کیا جاتا ہے۔ تو یہ بچے کے علم حاصل کرنے کی ایک ترتیب ہے جو فطرت نے اسے دی ہے کیونکہ وہ ہر چیز کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ان اعضا کے ذریعے انسان کو علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ایک فرق بھی ہے...... کیا فرق ہے؟...... کہ جو علم ان اعضا کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ کبھی کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی بھی کئی مثالیں ہیں۔

☆...... بالفرض آپ گاڑی چلا رہے ہیں۔ گرمی کا موسم ہے۔ آپ سامنے سڑک پر دیکھیں تو یوں لگے گا کہ جیسے پانی ہے، مگر پانی نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ نے علم تو حاصل کیا مگر غلط تھا۔

☆...... ایک اور مثال سنیں۔ آپ ایک ریل گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ دوسری ریل گاڑی ساتھ آ کر رکی۔ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اسی دوران میں آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی گاڑی نے چلنا شروع کر دیا۔ آپ یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہماری گاڑی چل پڑی ہے، لیکن تھوڑی دیر بعد پتہ چلتا ہے کہ ہماری گاڑی تو نہیں چلی تھی بلکہ دوسری گاڑی چلی تھی۔ حالانکہ جب برابر میں وہ گاڑی چل رہی تھی تو آپ یہی سمجھ رہے تھے کہ آپ کی گاڑی چل رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ نے

دیکھا مگر اس کے دیکھنے سے جو علم حاصل ہوا وہ علم غلط تھا۔ اس کو انگریزی میں Illusion (دھوکا) کہتے ہیں۔ یہ نظر کا دھوکا ہے۔

☆...... جب آدمی بیمار ہوتا ہے تو اسے ہر چیز کڑوی لگتی ہے۔ حتی کہ پانی بھی کڑوا لگتا ہے۔ حالانکہ پانی کڑوا نہیں ہوتا۔ لیکن مریض کہے گا کہ مجھ سے تو ایک گھونٹ بھی نہیں پیا جاتا، یہ کڑوا ہے۔ اب دیکھیں کہ پانی تو ٹھیک تھا لیکن اس کی بدنی بیماری کی وجہ سے اسے کڑوا لگنے لگا، تو پتہ چلا کہ اسے زبان کے ذریعے جو علم حاصل ہوا وہ پختہ علم نہیں تھا۔

☆...... آپ کئی مرتبہ کہتے ہیں کہ کسی نے گھنٹی بجائی ہے۔ جب باہر جا کر دیکھتے ہیں تو وہاں کوئی بھی نہیں ہوتا۔ گویا کان نے تو سنا، مگر جو سنا وہ غلط تھا۔

معلوم ہوا کہ ان اعضا سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کچا ہوتا ہے۔ ٹھیک بھی ہوتا ہے مگر کبھی کبھی وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیئے اس پر ہمیشہ کے لئے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

عقل اور حصولِ علم:

ان پانچ حواس کے علاوہ ایک اور حس بھی ہے جس کے ذریعے انسان علم حاصل کرتا ہے، اسے ''عقل'' کہتے ہیں...... عقل کے ذریعے کیسے علم حاصل کیا جاتا ہے؟...... اس کی بھی کئی صورتیں ہیں، مثلاً:

☆...... آپ گھر میں واپس آئے اور آپ نے دیکھا کہ آپ کی الماری میں سے چیزیں غائب تھیں۔ اب آپ فوراً سوچتے ہیں کہ کسی نے چوری کی ہے۔ جب چوری کرنے والے نے چوری کی تھی آپ اس وقت تو موجود نہیں تھے۔ لیکن آپ نے الماری کے اندر اپنی چیزوں کے بکھرے پڑے ہونے کی وجہ سے اندازہ لگایا کہ چوری ہوئی ہے۔ پھر آپ ادھر ادھر سے نشان ڈھونڈتے ہیں۔ آپ کو چھت پر سے دو تین

اینٹیں اکھڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔آپ فوراً سوچتے ہیں کہ چور چھت کے اوپر سے آیا تھا۔آپ نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا تو نہیں، لیکن آپ نے اپنی عقل سے یہ بات سمجھ لی کہ وہ ادھر سے ہی آیا تھا اور ادھر ہی سے ہو کر گیا تھا۔اور بعد میں یہ بات واقعی سچی نکلتی ہے کہ وہ اسی راستے سے آیا تھا اور اس نے چوری کی تھی۔ یہ فیصلہ آپ نے عقل کے ذریعے کیا۔

☆......سائنس کی دنیا میں ایک سائنسدان گزرا ہے۔اس کا نام تھا آئن سٹائن۔اس نے ایک تھیوری پیش کی۔اس نے اس تھیوری کی بنیاد اپنے ایک خیال پر باندھی۔اس نے سوچا فرض کریں کہ ایک فریم آف ریفرنس ہے۔نہ اس نے کوئی تجربہ کیا، آنکھوں سے بھی نہیں دیکھا، ہاتھ لگا کر بھی کچھ نہیں دیکھا۔لیکن ایک سوچ پر اس نے بنیاد رکھی کہ فرض کرو کہ ایک فریم آف ریفرنس ہے، اور کرتے کرتے اس نے ایک نتیجہ نکالا کہ آج پوری سائنس کی دنیا اسے تسلیم کرتی ہے۔اس تھیوری کا نام تھیوری آف ریلیٹیویٹی (نظریہ اضافت) ہے۔اسے یہ علم فقط عقل کے ذریعے ملا۔

ضروری نہیں کہ عقل کے ذریعے حاصل ہونے والا علم ہمیشہ ٹھیک ہو۔ناقص بھی ہو سکتا ہے۔اس لیے کہ کئی مرتبہ عقل انسان کو دھوکا بھی دے دیتی ہے۔مثال کے طور پر۔

☆......ایک گمراہ آدمی گزرا ہے۔اس کا نام ''عبدالرحمٰن'' تھا۔نام تو بڑا اعلیٰ تھا لیکن اس کا عمل بہت ہی زیادہ برا تھا۔اس عبدالرحمٰن نے ایک فرقہ بنالیا تھا اور وہ کہتا تھا کہ بھائی کے لیے بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔وہ اس کے لیے دلیل یہ دیتا تھا کہ اچھی بیوی وہی بن سکتی ہے جو انسان کو بہتر طور پر سمجھتی ہو، اور بہن سے زیادہ بھائی کو بہتر کون سمجھتا ہے!؟ لہٰذا بہن سے نکاح جائز ہے۔اس کی عقل نے اسے دھوکا دیا کیونکہ وہ تو محرم ہوتی ہے۔اگر قریبی محرم رشتوں پر بھی انسان کی شہوت کی نظر

پڑے گی تو پھر حیا تو دنیا سے رخصت ہی ہو جائے گی۔

☆.....ایک ملک کی پارلیمنٹ میں تالیوں کی گونج میں ایک بل پاس کیا گیا کہ مرد کی مرد سے شادی جائز ہے۔ دیکھو کہ عقل نے کیسا دھوکہ دیا! کہنے کو وہ بڑے ترقی یافتہ ہیں اور سائنس کے نقطہ عروج کو چھونے کے دعوے کرتے ہیں، لیکن عقل نے کیسا دھوکا دیا کہ ایک خلاف فطرت عمل کرنے کا بل پاس کر لیا۔ ایسا تو جانور بھی نہیں کرتے۔ لیکن انہوں نے قانون بنا دیا کہ اس ملک میں مرد کی مرد کے ساتھ شادی ہو سکتی ہے۔

حواسِ خمسہ سے بھی علم حاصل ہوتا ہے مگر وہ بھی کچا۔ اس میں دھوکہ ہوتا ہے۔ اور عقل سے بھی علم حاصل ہوتا ہے مگر اس میں بھی دھوکہ ہے۔

وحی الٰہی اور حصولِ علم:

ایک علم اور ہے جسے علمِ وحی کہتے ہیں۔ یہ علم انسان قلب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ یہ وحی کا علم نبی علیہ السلام کے قلب اطہر پر اتارا گیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

نزل علی قلبك (اے محبوب ﷺ! اسے آپ کے دل پر اتار گیا)

یہ وحی کے ذریعے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ سچا اور پکا ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتا ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب کا آغاز ''بدء الوحی'' سے کر کے گویا یہ پیغام دیا کہ تم نے احکامِ شریعت سیکھنے ہیں، اور یہ احکام اس لیے پکے اور سچے ہیں کہ یہ وحی کے ذریعے عطا کیے گئے ہیں۔

وحی دو طرح کی تھی:۔

(1) متلو (2) غیر متلو

متلو وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن مجید۔ اللہ رب العزت

نے نبی علیہ السلام کے قلب اطہر پر اتارا اور اللہ کے محبوب ﷺ نے امت کو سکھایا۔ ہم اسے کتاب کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسی باتیں تھیں جو اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کے قلب مبارک میں ڈال دیتے تھے۔ اور نبی علیہ السلام صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہ باتیں بتایا کرتے تھے۔ اسے حدیث کہتے ہیں۔ اس حدیث کا دوسرا نام غیر متلو وحی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم: ۳۔۴)

نبی علیہ السلام جو بھی فرماتے تھے وہ اللہ کی وحی کے ذریعے فرماتے تھے۔ یہ حدیث مبارکہ کا علم بھی وہ علم ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو عطا فرمایا۔ لہٰذا اس میں کسی قسم کی کوتاہی کا شائبہ ہی نہیں ہے۔ یہ پکا اور سچا علم ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات سے کتاب کا آغاز کیا۔ تاکہ طالب علم کے ذہن میں یہ بات جاگزیں ہو جائے کہ میں ایک ایسا علم پڑھ رہا ہوں جو وحی کے ذریعے عطا ہوا اور یہی علم زندگی گزارنے کے لیے سو فیصد سچی اور پکی رہنمائی کرتا ہے۔

کتب حدیث میں دلچسپی کا پہلو:

فنِ حدیث کی کتابوں میں ایک دلچسپ فرق ہے۔ آپ کو ذرا اس کے بارے میں بھی بتاتے ہیں، توجہ فرمایئے:

☆...... اگر ہم صحاح ستہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ چاہیں کہ مختلف ائمہء حدیث کس حدیث مبارکہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو یہ بات ہمیں ترمذی شریف سے معلوم ہوگی۔

☆...... اگر یہ پتہ کرنا ہو کہ اس امام کے دلائل کیا ہیں؟ تو وہ دلائل ابوداؤد شریف سے معلوم ہوگی۔

☆...... اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ اس حدیث سے مسئلہ کا ستنباط کیسے کیا؟ مسئلہ کو

Derive کیسے کیا؟ تو یہ چیز بخاری شریف سے ملے گی۔

☆......اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ ان دلائل کی تقویت کے لیے کیا اور بھی احادیث ہیں؟ تو وہ احادیث مسلم شریف سے ملیں گی۔

☆......پھر یہ معلوم کرنے کیلیے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے اس میں کوئی علت تو نہیں، تو علت معلوم کرنے کے لیے نسائی شریف سے پتہ کرنا پڑے گا۔

☆......اگر کوئی چاہے کہ مؤلف کی مدد کے بغیر خود علت کو ڈھونڈوں تو پھر اس کو سنن ابن ماجہ سے مدد لینا پڑے گی۔

اب یہاں یہ دیکھیں کہ ہر کتاب حدیث کا اپنا ایک رنگ ہے۔گویا اللہ تعالیٰ نے ان صحاح ستہ میں اپنے محبوب ﷺ کے علوم کو مختلف رنگوں سے بھر دیا۔اب انسان جس طرح کا علم حاصل کرنا چاہے، وہ اس سے متعلقہ کتاب کو پڑھے، اللہ رب العزت اس کو وہ علم عطا فرما دیں گے۔

بخاری شریف کا سنِ تالیف:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تالیف کا کام، بقول حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے 217 ہجری میں شروع کیا اور انہوں نے اس کام کو 233 ہجری میں مکمل کیا۔

اصلاحِ نیت:

امام بخاری نے یہاں جو حدیث مبارکہ سب سے پہلے پیش فرمائی ہے اس میں کیا ارشاد فرمایا گیا؟ آیئے ذرا ہم اس حدیث مبارکہ کی تلاوت کرتے ہیں۔نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی

”اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی ہے جو وہ نیت کرتا

ہے''

فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيبُهَا

(تو جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہوئی اس کو دنیا مل گئی)

اَوْ اِلٰى امْرَاَةٍ يَّنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَا جَرَ اِلَيْهِ

(یا جس کی ہجرت ہوئی عورت سے نکاح کرنے کے لیے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی)

اگر اس حدیث پاک میں غور کریں تو چند باتیں سامنے آتی ہیں:

امام بخاری ؒ اس حدیث کو شروع میں اس لیے لائے ہیں کہ جب اعمال کا دارومدار ہی نیت پر ہے تو انسان کو شروع سے ہی اپنی نیت ٹھیک کرنی پڑے گی ورنہ اعمال ہی نہیں ہوں گے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی جس کا وزن زیادہ ہے اگر وہ کسی دن کھاتا پیتا ہی نہیں اور نہ ہی جماع کرتا ہے۔ اگر وہ سارا دن ایسا ہی رہے تو اسے روزے کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس کا مقصد وزن کم کرنا تھا۔ اس عمل میں نیت کا اتنا دخل ہے کہ اگر اس نے کھانے پینے اور جماع کرنے سے پرہیز بھی کیا تو اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

ایک بزرگ تھے۔ ان کے ایک شاگرد نے ان کو ایک مرتبہ اپنے گھر دعا کے لیے بلایا۔ وہ تشریف لے گئے۔ جب انہوں نے گھر دیکھا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا بنایا ہوا ہے؟ کہنے لگا: جی یہ روشن دان بنایا ہے۔ پوچھا کہ کیوں بنایا ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت! اس لیے بنایا ہے کہ اس میں سے روشنی بھی آئے گی اور ہوا بھی آئے گی۔ تو حضرت نے اس کو بات سمجھائی اور فرمایا: آپ نے یہ کہا کہ میں نے یہ روشن دان اس لیے بنایا کہ اس سے ہوا بھی آئے گی اور روشنی بھی آئے گی، اگر آپ یہ جواب دیتے کہ میں نے روشن دان اس لیے بنایا کہ مجھے اس میں سے اذان کی

آواز آیا کرے گی تو تمہارا روشن دان بنانا عبادت بن جاتا، ہوا اور روشنی تو تمہیں ویسے ہی مل جاتی تھی۔ تو پتہ چلا کہ ہر عمل میں نیت کو ٹھیک کرنا ہے۔

تصحیح نیت میں عارفانہ کلام:

ہمارے قریب میں ایک بزرگ گزرے ہیں، سلطان العارفین حضرت سلطان باہو۔ ان کا پنجابی میں کلام بڑا عجیب ہے۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

جے ناتیاں دھوتیاں رب ملدا تے ملدا کمیاں مچھیاں نوں

اگر نہانے دھونے سے خدا ملتا تو مچھلیوں کو مل جاتا، وہ تو ہر وقت نہاتی رہتی ہیں۔

جے ذکر کیتیاں رب ملدا تے ملدا کال کڑچھیاں نوں

یہ ایک کالا پرندہ ہوتا ہے جو الٹا لٹکا ہوا ہوتا ہے اور ساری رات آواز نکالتا رہتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اگر ذکر کرنے سے رب ملتا تو وہ ساری رات ذکر کرتی ہے، اسے رب مل جاتا۔

جے سر منایا رب ملدا تے ملدا بھیڈاں سسیاں نوں

بھیڑ کی ایک قسم ہے جس کے سر پر بہت چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر سر منڈانے سے رب ملتا تو اس بھیڑ کو مل جاتا۔

جے جتیاں ستیاں رب ملدا تے ملدا انداں خصیاں نوں

اگر مجرد (غیر شادی شدہ) رہنے سے خدا ملتا تو خصی جانوروں کو خدا مل جاتا۔

اور اخیر پر فرماتے ہیں۔

جے رب ملدا تے ملدا نیتاں اچھیاں نوں

اگر اللہ ملتا ہے تو وہ اچھی نیت والوں کو ملتا ہے۔

عزیز طلبا! یہ بات سو فیصد سچی ہے۔ لہٰذا آپ ابھی سے نیت کر لیں کہ جو کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرے گا ہم اللہ کے لیے اس کو معاف کر دیں گے۔ ہم آج سے

اللہ کے کسی بندے سے بھی کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''جو شخص دوسروں کے قصوروں کو جتنا جلدی معاف کریگا اللہ رب العزت قیامت کے دن اس کے قصوروں کو اتنا جلدی معاف فرمادیں گے''۔ چنانچہ آج ہی سے ہر عمل میں آخرت کو سنوارنے کی نیت کرلیں۔

نیت کی شرعی حیثیت:

اس حدیث مبارکہ میں نیت کی شرعی حیثیت بھی سامنے آتی ہے کہ جب تک نیت نہ ہو اس وقت تک عمل نہیں ہوتا۔ ائمہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عمل کا ثواب نہیں ملتا۔

......بعض نے کہا کہ عمل کی صحت کا دارومدار نیت پر ہے۔

......بعض نے کہا کہ عمل کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے۔

......امام ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا کہ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے۔ عمل ہوجائے گا ثواب نہیں ملے گا۔

مثال کے طور پر ایک آدمی کو کسی نے پانی میں دھکا دے دیا۔ جب وہ پانی میں گر گیا تو اس بندے کا وضو ہوگیا، اگرچہ اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ نیت نہیں تھی۔ اسی طرح ایک بندہ غسل کرتا ہے لیکن وضو کی نیت نہیں کرتا تو اسے ثواب نہیں ملے گا لیکن اس کا وضو ہوجائے گا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے عمل تو ہوجاتا ہے۔

یہیں سے ائمہ میں مسائل کا اختلاف ہوگیا۔ جنہوں نے کہا کہ نیت کے بغیر عمل ہوتا ہی نہیں تو انہوں نے کہا کہ اس کے مسائل یہ ہیں اور جنہوں نے کہا کہ عمل تو ہو جاتا ہے مگر ثواب نہیں ملتا ان کے مسائل مختلف ہوگئے۔ تو یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ فقہا میں اختلاف کیسے آیا؟ کہ انہوں نے ایک لفظ کے مفہوم کو الگ الگ لیا۔

نبی علیہ السلام نے اس بات کے مفہوم کو اور زیادہ واضح فرما دیا۔ پہلے فرمایا کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ پھر ما قبل کو اور زیادہ واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وانما لکل امری ء مانوی (اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرتا ہے)

پھر آگے فرمایا:

فَمَنْ کَانَ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا

(پھر جس نے ہجرت کی دنیا کی خاطر اس کو وہ دنیا مل گئی)

حدیث مبارکہ کا شانِ ورود:

نبی علیہ السلام نے یہ حدیث مبارکہ ایک خاص موقع پر ارشاد فرمائی تھی، وہ موقع کیا تھا؟ ایک صحابی تھے۔ وہ کسی خاتون کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے اس کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو اس عورت نے جواب میں کہا کہ اگر آپ ہجرت کریں گے تو آپ کے ساتھ میرا نکاح ہو جائے گا، اور اگر ہجرت نہیں کریں گے تو میں نکاح نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے شادی کرنے کے لئے ہجرت کی۔ اس عورت کا نام ام قیس تھا۔ لہٰذا وہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ''مہاجرِ ام قیس'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

جب یہ بات نبی علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بات کو واضح کر دیا۔ لیکن اس میں غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اس میں نبی علیہ السلام نے کسی کا نام نہیں لیا۔ اتنا فرمایا کہ

اِلَی امْرَأَةٍ یَنْکِحُهَا، فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ

''جس نے ہجرت کی عورت سے نکاح کرنے کیلیے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی''

یعنی بغیر نام لیے بات کی۔

ایک علمی نکتہ:

یہاں ایک علمی نکتہ ہے۔سورۃ یوسف میں ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کواپنی طرف متوجہ کیااور گناہ کی دعوت دی تو قرآن مجید میں یوں ہے۔

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ (الیوسف:۲۳)

''اور پھسلایااس کواپنے جی سے اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا''

یہاں عورت کا نام نہیں لیا گا۔حالانکہ اس آیت میں اگرسیدھا سیدھا زلیخا کا نام لے دیا جاتا کہ زلیخا نے ان کو گناہ کی دعوت دی تو دولفظوں میں بات ہو جاتی۔اور قرآن مجید کا اسلوب بیان بھی یہی ہے کہ مختصر مگر جامع کلام ہوتا ہے،مگر قرآن مجید میں یہاں زیادہ الفاظ استعمال کر لیے لیکن نام نہیں لیا کہ عزیز مصر کی بیوی نے گناہ کی دعوت دی۔نشاندہی نہیں کی۔کیونکہ نشاندہی کر کے بات کرنے سے غیبت ہو جاتی ہے۔خود اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو غیبت سے منع فرمایا ہے۔تو جس پروردگار نے بندوں کو غیبت کرنے سے منع فرمایا وہ خود کیوں ایسا کلام فرماتے جس میں یہ پہلو نکلتا۔لہٰذا زیادہ الفاظ استعمال کر لیے مگر بات گول مول کردی کہ سمجھنے والے سمجھ بھی جائیں اور اوپر پردہ بھی رہ جائے۔جیسے اللہ نے اس عورت (زلیخا) کا پردہ رکھ لیا،اس کا نام نہیں لیا،اس کو رسوانہیں کیا،اس کے خاوند کو بھی رسوانہیں کیا اور بات کو گول کردیا،اسی طرح نبی علیہ السلام نے بھی بالکل اسی طرح فرمایا۔کہ بات تو کرنی تھی اُمِ قیس اور اس کے خاوند کے بارے میں،مگر نبی علیہ السلام نے اجمالاً بات اشارہ فرمادی۔اس کو کہتے ہیں،

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ

ہمیں بھی یہاں سے یہ سبق سیکھنا چاہیے کہ ہم بھی اگرکسی کے بارے میں بات کریں تو اجمالاً کریں۔نام لے کر بات نہ کریں اور اپنے آپ کو غیبت سے بچانے کی

کوشش کریں۔ چنانچہ یہ تربیتی انداز بھی اس حدیث مبارکہ سے سامنے آتا ہے۔

تصوف کی ابتدا:

یہ حدیث مبارکہ تصوف کی ابتدا ہے۔ ایک مرتبہ ایک بڑے عالم حضرت شیخ الحدیث ﷺ سے ملے اور فرمایا، یہ تصوف کیا بلا ہے؟ یہی الفاظ کہے۔ انہوں نے آگے کہیں سفر پر بھی جانا تھا۔ چنانچہ فرمانے لگے کہ میں آگے سفر پر جا رہا ہوں، واپس آؤں گا تو آپ کے ساتھ تفصیل سے بات کروں گا۔ حضرت نے فرمایا: آپ ابھی جواب لیتے جائیں۔ تصوف کی ابتدا ہے...... اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)...... اور تصوف کی انتہا ہے...... اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (کہ تو ایسے عبادت کر جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھ سکتا تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)...... وہ کہنے لگے کہ آپ نے تو جلدی مسئلہ حل کر دیا۔ بخاری شریف کی افتتاحی حدیث بھی یہی ہے اور تصوف کی ابتدا بھی یہی ہے کہ اپنی نیتوں کو ٹھیک کر لیں۔

حدیث نبوی کا نور:

بعض کلام ایسے ہوتے ہیں جن میں نور ہوتا ہے۔ جیسے کلام اللہ۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس کلام کے اندر ایک نور ہے۔ جو شخص اس کلام کو پڑھتا ہے اس کو نور ملتا ہے۔ اس پر اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم خاموش رہو اور غور سے سنو تاکہ تم پر رحمتیں برسیں''

اس کلام الٰہی میں نور بھرا ہوا ہے اور وہ نور سینے میں ملتا ہے۔ اسی حدیث پاک

میں فرمایا:

تَبَرَّكَ بِالْقُرْآنِ فَإِنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ

''تم قرآن سے برکت حاصل کرو، وہ اللہ کا کلام ہے''

جس طرح کلام اللہ میں نور ہے اسی طرح کلام رسول اللہ ﷺ میں بھی نور ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام بھی منور شخصیت تھے۔ اللہ کے نبی تھے اور ان کا کلام اللہ کی وحی تھی۔ ان کا جو کلام تھا وہ قرآن کی تفسیر تھی۔

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِم

لہٰذا کلامِ نبوی کے اندر بھی نور ہے۔ اس لیے حدیث مبارکہ کو پڑھنے سے بھی نور ملتا ہے۔ ہم جو علم حاصل کرنے کے لیے یہاں بیٹھے ہیں اس کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ ان الفاظ اور حروف کے اندر جو نور چھپا ہے وہ نور ہمیں مل جائے۔ لہٰذا اگر وہ نور ہمیں مل گیا تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم حدیث پاک کو آداب کے ساتھ، طلب کے ساتھ اور شوق کے ساتھ پڑھیں گے تو ان الفاظ و حروف کے اندر جو نور ہے وہ ہمارے سینے میں آئے گا اور اس نور کے ملنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ لہٰذا ہر طالب علم یہ کوشش کرے کہ اس دورہ حدیث کے سال میں بڑی طلب کے ساتھ اور ادب کے ساتھ حاضری کی پابندی کرے، سبق کا ناغہ نہ ہو، استاد کے آداب کی رعایت رکھے اور توجہ سے بیٹھ کر سنے تا کہ حدیث مبارکہ کا نور ہمارے سینوں میں منتقل ہو جائے۔

کلام سے متکلم تک رسائی:

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ کلام سے متکلم کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔ مثال

سے طور پر:

☆......مرزا غالب ایسا شاعر تھا جو مخلوق کی محبت کے دھندوں میں پڑا ہوا تھا۔ لہٰذا اگر اس کا کلام پڑھیں تو اس میں عورت کے حسن و جمال اور اس کی تفصیلات ملیں گی۔

☆......میر درد ایک صوفی شاعر تھا۔ اگر اس کا کلام پڑھیں تو اس میں اللہ کی محبت کی باتیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

ایک اور شعر میں کہتے ہیں:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس بندے کے دل میں واقعی اللہ کی محبت تھی۔

☆......علامہ اقبال ایک انقلابی ذہن رکھنے والا انسان تھا۔ چنانچہ اگر اس کے اشعار پڑھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ آدمی چاہتا تھا کہ ہمیں فرنگیوں سے آزادی مل جائے اور امت مسلمہ کو عزت رفتہ مل جائے، مثلاً:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا جس کا تو ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

تو گفتار ، وہ کردار ، تو ثابت ، وہ سیارا

اس کے کلام سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اس کا ذہن انقلابی تھا۔

☆......اورنگ زیب عالمگیر کی ایک بیٹی کا نام زیب النساء تھا۔ وہ بھی فارسی میں اشعار کہتی تھی۔ اس نے اپنا تخلص ''مخفی'' رکھا ہوا تھا۔ اس کا ''دیوان مخفی'' چھپا ہوا ہے۔ وہ بڑے اچھے اشعار کہتی تھی۔

اس زمانے میں ایک ایرانی شہزادہ تھا۔ اس نے ایک مصرعہ کہا:

درِ ابلق کسے کم دیدہ موجود

(درابلق کس نے دیکھا ہے، بہت کم موجود ہوتا ہے)

ایک موتی کو درابلق کہتے ہیں۔ وہ سفید اور چمکدار ہوتا ہے مگر اس میں ایک باریک سی کالی لائن ہوتی ہے، اس کو ابلق کہتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ درابلق کس نے دیکھا ہے؟ بہت کم موجود ہوتا ہے...... پہلا مصرعہ تو اس نے بنا لیا، لیکن دوسرا مصرعہ اس سے نہیں بن رہا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا: جو بندہ دوسرا مصرہ بنائے گا میں اس کو بڑا انعام دوں گا۔

یہ بات چلتے چلتے ایران سے ہندوستان تک پہنچی۔ یہاں کے شعرا نے بھی کافی طبع آزمائی کی لیکن کچھ نہ بنا۔ مخفی نے بھی اس مصرعہ کی شہرت سن لی۔ ایک دن اتفاقی طور پر اس شعر کا دوسرا مصرعہ کہہ دیا۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ نہانے کے بعد اس نے اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالا...... سرمہ ڈالنے سے کئی مرتبہ آنکھوں میں پانی آجاتا ہے...... سرمہ ڈالنے کے بعد جب اس نے آئینہ دیکھا تو وہ آنکھ سے نکلا ہوا پانی آنسو کی شکل میں پلکوں کے اوپر تھا اور اس میں سرمے کی وجہ سے ہلکی سی لائن تھی۔ اس نے دیکھتے ہی کہا کہ یہ تو درابلق کی طرح ہے۔ چنانچہ اس نے وہیں دوسرا مصرعہ کہہ کر شعر مکمل کر دیا کہ

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود
مگر اشکِ بتاںِ سرمہ آلود

یہ ایسا مزے کا شعر بنا کہ جو سنتا تھا حیران ہوتا تھا۔

یہ بات اس شہزادے تک پہنچی۔ اس شہزادے نے کہا: ''شاعر کو میرے پاس بھیجو، میں اس کو بڑا انعام دینا چاہتا ہوں'' جب یہ بات اورنگزیب عالمگیر تک پہنچی تو بیٹی سے کہا، بیٹی! میں تجھے کہتا نہیں تھا کہ تو شعر نہ کہا کر، کسی مصیبت میں ڈالے گی، اب دیکھو کہ وہ شہزادہ کہتا ہے کہ جس شاعر نے یہ شعر کہا ہے، وہ میرے پاس آئے، میں اسے انعام دینا چاہتا ہوں۔ مخفی کہنے لگی: ابا جان! آپ پریشان نہ ہوں، میرے دو شعر لکھ کر اس کے پاس بھیج دیں، وہ بات کو سمجھ جائے گا۔ چنانچہ اس نے شعر کہے:

درسخنِ مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل

''میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوئی ہوں جس طرح پھول کے اندر خوشبو چھپی ہوتی ہے''

ہر چہ خواہد میل دارد درسخن خواہد مرا

''جو مجھ کو ملنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ میرے کلام کو پڑھ لے، کلام کے ذریعے مجھ سے ملاقات ہو جائے گی''

یہ اشعار بھیجنے سے سارا خطرہ ٹل گیا۔

یہاں بات تو وہی ہے کہ اگر وہ یہ کہتی ہے کہ میرے کلام کے ذریعے میری ملاقات ہو سکتی ہے تو دورۂ حدیث کے طلبا جو احادیث مبارکہ پڑھیں گے، اس کلام کے ذریعے ان کی اللہ کے محبوب ﷺ سے ایک روحانی ملاقات بھی ہو سکتی ہے۔ تو عزیز طلبا! ہم نے الفاظ میں پھنسے نہیں رہنا، آگے جانا ہے...... کلام سے ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟...... متکلم تک پہنچنا ہے۔ لہٰذا مزہ تو یہ ہے کہ حدیث مبارکہ کے اس سال

میں ہمیں نبی علیہ السلام کی ایسی محبت نصیب ہو جائے اور سنت پر ایسی استقامت نصیب ہو جائے کہ ہم اللہ کے محبوب ﷺ کے عشق میں ڈوب جائیں۔ پھر پڑھنے کا مزہ ہے۔

اس لیے بعض اکابر کہتے ہیں کہ جو اخلاص کے ساتھ دورہ حدیث کی کلاس پڑھے گا اس کو سال میں کم از کم ؟؟؟ مرتبہ تو نبی علیہ السلام کا خواب میں دیدار ضرور نصیب ہوگا۔ بلکہ ہم نے ایسے طلبا بھی دیکھے ہیں جن کا اس نہ بز سے بیعت کا تعلق ہے، وہ آکر حالات بتاتے ہیں کہ ان کو ہر مہینے نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ کچھ ایسے بھی خوش نصیب ہیں جن کو ہر ہفتے نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ تو جو صحیح جذبے اور شوق کے ساتھ، محبت اور طلب کے ساتھ حدیث پاک کو پڑھتے ہیں، پھر وہ کلام کے ذریعے متکلم تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ پورا سال یہ دعا کرتے رہنا کہ ہمیں بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسا قلبی تعلق نصیب ہو جائے، یہی مقصود ہے۔ ایک تو وہ نور حاصل کرنا ہے جو حدیث پاک میں ہے اور دوسرا کلام سے متکلم تک کا سفر کرنا ہے تاکہ ان کے ساتھ ایک روحانی نسبت قائم ہو جائے۔

دربارِ نبوت میں طلبِ حدیث کی قدردانی:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے گیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہء انور پر، مواجہ شریف پر سلام کے لیے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہاں حدیث مبارکہ کا کوئی بھی طالب علم جب سلام پیش کرنے کے لیے پہنچتا ہے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک سے سورج کی کرنوں کی طرح نور کی شعاعیں نکلتی ہیں اور اس حدیث کے طالب علم کے دل کو منور کر دیتی ہیں...... تو حدیث پاک پڑھنے والے طلبا پر اللہ رب العزت کی خصوصی رحمت ہوتی ہے۔ اس لیے اس سال میں آپ بڑے اہتمام کے ساتھ مسنون دعائیں پڑھیں، ہر کام میں اتباع سنت

کا لحاظ رکھیں اور تقویٰ کا اہتمام کریں۔ پھر آپ حدیث پاک پڑھتے جائیں گے اور اس کا نور ملتا جائے گا۔ اور پھر اس نور کی برکت سے متکلم تک تعلق نصیب ہو جائے گا۔ اللہ کا کتنا کرم ہے!! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے پیارے حبیب ﷺ کی وہ سچی محبت نصیب فرما دے، (آمین)

کتھے مہر علی ، کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

کہاں ہم نا کارہ لوگ اور کہاں وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پکی سچی محبت!؟
مگر اللہ رب العزت اس پر قادر ہیں کہ وہ ہمیں بھی یہ نصیب فرما دیں۔

منور چہرے:

حدیث پڑھنے والے طلبا کو ہر روز حدیث کا نور ملتا ہے۔ انسان کے چہرے پر نور نظر آتا ہے۔ دار السلام دیو بند کے دار الحدیث میں جب حدیث کی کلاس ہوتی تھی اور طلبا سبق پڑھ کر باہر نکلتے تھے تو ان کے چہروں پر ایسے نور ہوتا تھا کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ رمضان المبارک کا اعتکاف کرنے کے بعد نور والے چہروں سے مسجد سے باہر نکل رہے ہیں۔...... اللہ اکبر کبیرا!!!...... ہم بھی اگر ذوق شوق کے ساتھ حدیث پڑھیں گے تو ہم بھی منور چہروں کے ساتھ باہر نکلیں گے۔ یہی نور ہمیں حاصل کرنا ہے۔

نور حاصل کرنے کے لیے مسنون دعائیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّ عَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّ مِن اَمَامِي نُوْرًا وَاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّ فِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ لَحْمِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ

دَمِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَشَرِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِيْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّ مِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا (مسلم)

ترجمہ: اے اللہ میرے دل میں نور کر دے، میری آنکھوں میں نور کر دے اور میرے کانوں میں نور کر دے اور میرے دائیں نور کر دے اور میرے بائیں نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے پٹھوں میں نور کر دے اور میرے گوشت میں نور کر دے اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور کر دے اور میری کھال میں نور کر دے اور میری زبان میں نور کر دے اور میرے نفس میں نور کر دے اور تو مجھے بہت بڑا نور عطا کر دے، اور مجھے ہی نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے۔ اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔

نور حاصل کرنا کیوں ضروری ہے؟

واقعی سچی بات یہ ہے کہ اگر یہ نور نصیب ہو گیا تو پھر دین کا کام کرنے کا مزہ آئے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

﴿ اَفَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾ (الانعام)

(اور وہ جو مردہ تھا، ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اسے ایسا نور عطا کیا کہ اس نور کو لے کر وہ انسانوں کے درمیاں دین کا کام کرتا ہے)

بھئی! اگر اپنے اندر نور نہ ہوا تو ہماری بے نور باتیں لوگوں کے دلوں پر کیا اثر کریں گی؟ یہی وجہ ہے کہ آج یہ شکوہ کیا جاتا ہے کہ جی لوگ ہماری باتیں سنتے ہی نہیں۔ لوگ بے نور باتیں کیوں سنیں گے؟ اس لیے یہ نور حاصل کرنے کا وقت ہے۔

نور حاصل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ:

اس نور کو حاصل کرنے میں سب سے بڑی جو رکاوٹ ہے وہ گناہ ہیں۔اس لیے کہ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِیْ
وَ نُوْرُ اللّٰهِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

(علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور گناہگار کو نہیں دیا جاتا)

دورۂ حدیث کے طلبا متفکر بھی رہیں۔ایسا نہ ہو کہ آٹھ سال ان چٹائیوں اور صفوں پر بیٹھے بیٹھے جسم پر داغ تو لگ گئے لیکن اگر وہ نور نہ ملا تو ہمارا یہ بیٹھنا کس کام ہوگا۔آپ نے گائے اور بھینسوں کو دیکھا ہوگا کہ زمین پر بیٹھ بیٹھ کر ان کے بھی گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان بنے ہوتے ہیں۔ہم بھی اگر صفوں پر بیٹھے رہیں اور ہمارے بھی فقط نشان ہی بنے تو وہ جانوروں والی نسبت ہے۔اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو منور فرما دے۔اس کے لیے ہمیں معصیت کو چھوڑنا ہوگا۔سچی توبہ کرنی ہوگی اور اخلاص اور اتباعِ سنت کے ساتھ یہ سال گزارنا ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو منور فرما دے۔

اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرمائے اور ہمارے لیے حدیثِ پاک کے اس نور کو حاصل کرنا آسان بنائے۔(آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

عظمت بیت اللہ

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: میدانِ عرفات بتاریخ: یوم عرفہ 2000

اقتباس

بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا۔ جتنی بار دیکھیں گے ہر دفعہ دیکھنے کا مزا جدا ہوگا۔ اس کی طرف دیکھنے سے انسان کا دل کبھی نہیں بھرتا۔ بلکہ انسان کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے اور دوسری بار دیکھنے کی تمنا ہے۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے!

جن لوگوں کو اللہ رب العزت نے دل کی آنکھ دی ہوتی ہے، بصیرت دی ہوتی ہے، وہ جب بیت اللہ شریف کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کو واقعی تجلیات نظر آتی ہیں۔ ان کو پھر اس کے حسن و جمال کا ادراک ہو جاتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

عظمتِ بیت اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاھِیْمَ وَ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ آمِنًا وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ﴾ (ال عمران:۹۷)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اوّلِ عالم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ ﴾ (ال عمران:۹۷)

"بے شک وہ پہلا گھر دنیا میں جو انسانوں کے لیے بنایا گیا وہ بکہ تھا۔"

بیت اللہ شریف کا ایک نام بکہ ہے اور اس شہر کا نام مکہ ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ زمین بننے سے پہلے ہر جگہ پر پانی تھا، اس میں ایک جگہ سے اللہ تعالیٰ نے بلبلہ پیدا فرمایا اور وہ بلبلہ پھیلنا شروع ہوا، اور پھیلتے پھیلتے اس نے زمین کی صورت اختیار کر لی۔ جس جگہ وہ بلبلہ پیدا ہوا وہ جگہ "اوّلِ عالم" کہلاتی ہے۔ اس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر بنایا، جسے بیت اللہ کہا جاتا ہے۔

بیت اللہ شریف کی تعمیر:

بیت اللہ کو چھ مرتبہ اپنی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا۔

⊙...... سب سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں کے ہاتھوں سے بنوایا۔

⊙...... دوسری تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔

⊙...... تیسری تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی، جس کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی ہے۔

⊙...... چوتھی تعمیر قریش مکہ نے کی، جس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھا۔

⊙...... پانچویں تعمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کی۔ اور قریش مکہ نے جو حطیم کی جگہ کو چھوڑ دیا تھا، اس کو انہوں نے شامل فرمالیا۔

⊙...... ان کے بعد حجاج بن یوسف نے اپنے دور میں پھر اس کو انہی بنیادوں پر تعمیر کیا اور حطیم کو پھر باہر کر دیا۔

اس کے بعد وقت کے فقہا نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی حاکم بیت اللہ کی اس تعمیر کو ان بنیادوں سے ہٹا نہیں سکتا، اس لیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو یہ حاکموں کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گا۔ چنانچہ آج تک وہی تعمیر چلی آ رہی ہے۔

بیت اللہ کی وجہ تسمیہ:

اس کو بیت اللہ (اللہ کا گھر) کہتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس گھر پر اللہ رب العزت کی ذاتی تجلیات کا ورود ہوتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ نور کا ایک پرنالہ ہے جو عرش کے اوپر سے برس رہا ہے اور اس جگہ تک آ رہا ہے۔ وہ پرنالہ عالم ملکوت کے

جس مقام سے گزرتا ہے اس کا نام ''بیت المعمور'' ہے۔ اور جب وہی پرنالہ زمین پر آکر اس جگہ پر گرا تو اس کا نام ''بیت اللہ'' رکھ دیا گیا۔ ہم اس بیت اللہ کے گرد طواف کرتے ہیں اور فرشتے بیت المعمور کے گرد طواف کرتے ہیں۔ ہم جس چیز کو سجدہ کرتے ہیں وہ وہی تجلیات ہیں، یہ اینٹوں کا تو ایک مکان ہے تا کہ جہت متعین ہو جائے۔ اور ہم اس جہت کی طرف رخ کر رہے ہوتے ہیں۔

مُتَوَجِّهًا اِلٰی جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ

ہم ان پتھروں کو سجدہ نہیں کر رہے ہوتے۔ بلکہ ان پر جو تجلیات وارد ہو رہی ہیں، ان کی طرف سجدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ تجلیات کے لفظ کی جگہ ''عکس'' کا لفظ سمجھ لیں کہ ایک آسان سا لفظ ہے۔ ایک آدمی پانی کے سامنے کھڑا ہو تو پانی میں اس کا عکس پڑتا ہے۔

تو یوں سمجھیے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک عکس محسوس ہوتا ہے۔ اب اگر اصل خوب صورت ہو تو اس کا عکس بھی خوب صورت ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کے جمال کا کیا کہنا۔ وہاں پر چونکہ اس کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہوتی ہیں اس لیے ہر بندے کو بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا اچھا لگتا ہے۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے:

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ چند چیزوں سے انسان کا دل کبھی نہیں بھرتا۔

◉ ...... آسمان کی طرف دیکھنا۔ وہی نیلا رنگ، وہی ستارے، وہی بادل ساری عمر آپ دیکھیں گے مگر دل نہیں بھرے گا۔ روز دیکھنے کا نیا لطف اور مزہ ہوگا۔

◉ ...... پانی کا پینا۔ اگر سو سال بھی عمر ہو جائے پھر بھی ہر دن پیاس لگے گی اور ہر دن پانی اچھا لگے گا۔ کوئی بندہ آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ میں تو زندگی میں پانی پی پی کر اکتا گیا ہوں۔

⊙...... بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا۔ جتنی بار دیکھیں گے ہر دفعہ دیکھنے کا مزا جدا ہو گا۔ اس کی طرف دیکھنے سے انسان کا دل کبھی نہیں بھرتا۔ بلکہ انسان کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے اور دوسری بار دیکھنے کی تمنا ہے۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے!

جن لوگوں کو اللہ رب العزت نے دل کی آنکھ دی ہوتی ہے، بصیرت دی ہوتی ہے، وہ جب بیت اللہ شریف کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کو واقعی تجلیات نظر آتی ہیں۔ ان کو پھر اس کے حسن و جمال کا ادراک ہو جاتا ہے۔

اصلِ عالم اور وسطِ عالم:

بیت اللہ شریف اولِ عالم بھی ہے اور بیت اللہ شریف اصلِ عالم بھی ہے۔ اس لیے کہ زمین مٹی ہے اور مٹی ہی ہماری اصل ہے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف وسطِ عالم بھی ہے۔ حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر پوری زمین کے نقشے کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو بیت اللہ شریف کی جگہ آپ کو پوری دنیا کا وسط نظر آئے گی۔ اور ویسے بھی جغرافیائی اعتبار سے دیکھیں تو جزیرۂ عرب آپ کو تین طرف سے پانی میں گھرا ہوا نظر آئے گا اور اوپر ایک طرف سے زمین سے ملا ہوا نظر آئے گا۔ جیسے انسان کے جسم میں دل ہوتا ہے کہ اوپر سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور نیچے سے لٹک رہا ہوتا ہے۔ آپ بھی اس جزیرے پر غور کریں، آپ کو یوں لگے گا جیسے یہ دنیا کا جغرافیائی قلب ہے۔

بیت اللہ شریف میں دائمی کشش:

چھوٹا ہو یا بڑا، ہر بندے کے دل میں بیت اللہ شریف کو دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔

آپ امیر غریب، پڑھے لکھے یا ان پڑھ، جس مسلمان سے بھی پوچھیں گے، اس کے دل میں بیت اللہ کو دیکھنے کا ایک شوق ہو گا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے گھر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو گھر کی چیزیں بیچ کر اس گھر کو دیکھنے کے لیے سفر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف میں بنیادی طور پر ایک کشش رکھ دی ہے۔

بادل آئے حدودِ حرم لائے:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کو بنا لیا تو اللہ رب العزت نے ایک بادل کو بھیجا جس نے اس کے اوپر سایہ کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے میرے پیارے ابراہیم! جس جگہ تک یہ سایہ ہے اس جگہ کو میں نے حرم کی زمین بنا دیا۔ یعنی اس زمین کو بھی محترم بنا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ کی نشاندہی فرما دی اور آج ان کو حدودِ حرم کہا جاتا ہے۔

یہ ایسی جگہ ہے کہ جتنے انبیائے کرام بھی دنیا میں تشریف لائے انہوں نے آ کر اس جگہ پر طواف کیا۔ اس لیے ہر بندے کا دل اس جگہ کی طرف کھنچتا ہے۔

حج کا اعلان:

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا:

﴿ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾ (حج:۲۷)

"(اے میرے ابراہیم!) آپ لوگوں میں اس کا حج کرنے کا اعلان کیجیے۔"

عرض کیا: اے اللہ! میری آواز تو سب انسانوں تک نہیں پہنچے گی۔ فرمایا: اے میرے ابراہیم! آواز لگانا آپ کا کام ہے اور اس کو ان تک پہنچانا میرا کام ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے آواز لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو عالمِ ارواح میں روحوں کو

بھی سنوا دیا۔ جس نے اس آواز کے جواب میں جتنی بار لبیک کہا، اتنی ہی مرتبہ اس بندے کو اس گھر کا سفر کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔

دعائے ابراہیمی:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ گھر تعمیر کرلیا تو انہوں نے دعا مانگی:

''اے اللہ! میں نے گھر تو بنا دیا، اب اس گھر کو آباد کرنے کے لیے بھی کسی ہستی کو بھیج دے۔''

چنانچہ

دعا کرنے والے......ابراہیم خلیل اللہ

آمین کہنے والے......اسماعیل ذبیح اللہ

جس مقام پر دعا مانگی......اس کا نام بیت اللہ

جس ذات سے مانگ رہے ہیں......اس کا نام اللہ

جو ہستی اس دعا کا مصداق بن کر آئی......اس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جگہ کو آکر آباد فرمایا، سبحان اللہ!

مرکزِ ہدایت:

اس گھر کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کا سبب بنا دیا ہے۔ دیکھیے! تین چیزیں نہایت ہی اہم ہیں۔

- ......ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- ......دوسرا کلام اللہ، اور
- ......تیسرا بیت اللہ

اب دیکھیے کہ ان تینوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے کیا کیا نام دیے۔

- ......رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا: رحمة للعلمین
- ......کلام اللہ کے بارے میں فرمایا: ذکری للعلمین، اور
- ......بیت اللہ کے بارے میں فرمایا: ہدی للعلمین

تو بیت اللہ شریف پورے جہانوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔ یہاں سے ہدایت ملتی ہے۔ بلکہ یہ ہمارے روحانی قیام کا سبب ہے۔ فرمایا:

﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ ﴾ (المائدہ:۹۷)

اس لیے قیامت کی نشانیوں میں سے آخری نشانی یہی ہوگی کہ بیت اللہ شریف کو گرادیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ دنیا کی اس بساط کو لپیٹ کر رکھ دیں گے۔

شکر ہے تیرا خدایا:

حاجی جو اپنے گھر سے چلتا ہے وہ گویا اللہ رب العزت کے عشق و محبت کا سفر کر کے آرہا ہوتا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی کتنی رحمت ہے کہ ہم جیسے عاجزوں اور بے کسوں کو اللہ تعالیٰ نے اس جگہ پر حاضری کی توفیق عطا فرمادی۔ اگر لیاقت پر معاملہ ہوتا تو پھر ہم تو گھروں میں ہی بیٹھے رہ جاتے۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ اس کے ہاں قابلیت نہیں، قبولیت کا معاملہ ہے۔ اگر قابلیت کو دیکھتے تو بہت سے لوگ ہم سے زیادہ قابل ہیں۔ حسب میں، اچھے نسب میں اچھے، علم میں اچھے، پتہ نہیں کن کن اعمال اور صفات میں اچھے ہیں لیکن اللہ رب العزت نے ہم جیسے نالائقوں کے لیے بھی آنے کا سبب بنادیا۔

شکر ہے تیرا خدایا! میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
مدتوں کی پیاس کو سیراب تو نے کر دیا
جام زم زم کا پلایا، میں تو اس قابل نہ تھا

ڈال دی ٹھنڈک مرے سینے میں تو نے ساقیا
اپنے سینے سے لگایا، میں تو اس قابل نہ تھا
بارگاہ سید الکونین میں جا کر نفیس
سوچتا ہوں کیسے آیا! میں تو اس قابل نہ تھا
تیری رحمت، تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبدِ خضریٰ کا سایہ، میں تو اس قابل نہ تھا

ہم تو واقعی اس قابل نہ تھے، لیکن اللہ رب العزت کی رحمت ہوئی اور اس کا کرم ہوا کہ اس پروردگار عالم نے ہم پر اپنا احسان فرمایا اور ہمیں یہ سفر کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔

عشق ومحبت کی وارفتگی:

یہ حج کا سفر اللہ رب العزت کی رحمتوں کو لوٹنے کا سفر ہے۔ اس کی رحمتوں کو اپنے دامن میں بھرنے اور سمیٹنے کا سفر ہے۔ اللہ رب العزت نے اس سفر کے لیے کہہ دیا کہ چھوڑو اپنی زیب وزینت کو اور دو چادروں کو لپیٹ کر میرے گھر کی طرف آؤ، جیسے دیوانے لوگ اپنے محبوب کو ملنے کے لیے چلتے ہیں۔ اور فرمایا کہ تم بھی اسی طرح نعرے لگاؤ جیسے دیوانے لگاتے ہیں۔ کیا نعرے لگائیں؟ فرمایا:

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ
اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ

......اونچائی پہ چڑھو تو بھی تلبیہ،
...... نیچے اترو تو بھی تلبیہ،
......کسی سے ملو تو بھی اس سے پہلے تلبیہ،

سبحان اللہ! دیوانوں والی حالت ہے، بکھرے بال ہیں، اللہ کی محبت میں نعرے لگاتے جا رہے ہوتے ہیں...... کیا مرد اور کیا عورت ...... پھر اللہ کے گھر میں پہنچتے ہیں۔ اکٹھے طواف کر رہے ہوتے ہیں۔ مرد اپنی مردانگی بھول جاتا ہے۔ اور عورت اپنی نسوانیت بھول جاتی ہے۔ سب اللہ کے حضور رو رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوتی ہے۔ مردوں کو بھی روتے دیکھا، عورتوں کو بھی روتے دیکھا۔ سب رو رہے ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ رب العزت کی رحمتیں سمیٹ رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اس سفر سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔

یومِ عرفہ:

آج کا یہ دن، جس کو وقوف عرفات کا دن کہا گیا، یہ بہت خاص دن ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا:

مَا الْحَجّ ''حج کیا ہے؟''

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَجُّ الْعَرَفَةُ

۹ ذی الحج کے دن عرفات کے مقام پر جو یہ ظہر سے لے کر مغرب تک وقوف کیا جاتا ہے اسے ''وقوف عرفہ'' کہتے ہیں۔ یہی گویا حج ہے۔ حج کا یہ رکن بہت بڑا رکن ہے۔ اصل یہی وقت ہے۔ جس نے اس کو پالیا وہ کامیاب ہو گیا۔

شیطان کی ذلت ورسوائی کا دن:

یوں سمجھیے کہ ہم اس وقت اپنی زندگی کا سب سے قیمتی وقت گزار رہے ہیں۔ ہمیں اپنی زندگی میں اس سے قیمتی وقت نہیں مل سکتا۔ وقوف عرفہ کا وقت قیمتی ترین وقت ہوتا

ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''میں نے شیطان کو جتنا ذلیل وخوار ہوتے ہوئے دیکھا یا تو بدر کے دن دیکھا تھا یا وقوفِ عرفات کے دن دیکھا، ورنہ اس کے سوا کبھی ایسا نہیں دیکھا۔''

تو آج کے دن شیطان ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری تو سالوں کی محنت ضائع کردی گئی۔

پروردگار کی رحمت کا بحرِ بیکراں:

اس دن اللہ رب العزت کی رحمت جوبن پر ہوتی ہے۔ اپنے عروج پر ہوتی ہے، اللہ رب العزت اپنے بندوں پر بڑے مہربان ہوتے ہیں۔ اس کے بندے دور دراز سے سفر کر کے آئے ہوتے ہیں۔ کیا مرد اور عورتیں، سب اللہ رب العزت سے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں دنیا دار لوگ بھی مہمان کی قدر کرتے ہیں، اور اللہ رب العزت تو سب سے زیادہ قدر کرنے والے ہیں۔ وہ بھی آئے ہوتے مہمانوں کی قدر فرماتے ہیں اور مہمان جو مانگتے ہیں اللہ رب العزت ان کو ان کی مانگی ہوئی ہر نعمت عطا فرما دیتے ہیں۔ مانگنے والوں کے مانگنے میں کمی ہوتی ہے لیکن پروردگار عالم کے دینے میں کمی نہیں ہوتی۔ اس کے خزانے اتنے وسیع ہیں کہ اس کو تو دے کر ہی خوشی ہوتی ہے۔

دیکھیے! اللہ رب العزت کے ننانوے نام ہیں۔ ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت کے بارے میں ہے۔ لیکن رحمت کی صفت کے بارے میں دو نام ہیں۔ ایک رحمٰن اور ایک رحیم۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہر صفت کے بارے میں ایک ایک نام، لیکن رحمت کی صفت اتنی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کے بارے میں دو نام بنائے۔ وہ اتنا رحیم اور اتنا کریم پروردگار ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش ارشاد فرماتے ہیں:

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الحجر:۴۹)

''میرے بندوں کو بتادو، بے شک میں بڑا ہی غفور ہوں، میں بڑا ہی رحیم ہوں۔''

اس کی مثال یوں سمجھیے: جیسے کوئی سخی کسی آدمی سے کہے، بھئی! اعلان کردو کہ میں بڑا سخی ہوں، تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کہ بھئی! لینے والو! آ کے لے لو، میں تمہیں خالی نہیں لوٹاؤں گا۔ جب پروردگارِ عالم خود فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو بتادو کہ بے شک میں بڑا ہی غفور ہوں اور بڑا ہی رحیم ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ میری رحمت سے حصہ پائیں اور مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔

یہاں آنے کا بھی بنیادی مقصد پچھلے گناہوں کی معافی مانگنا اور آئندہ تقویٰ و طہارت کی زندگی گزارنے کا دل میں عہد اور ارادہ کرنا ہے۔ جس نے اس بات کو سمجھ لیا اور آج اللہ رب العزت سے یہ بات منوالی تو گویا اس نے اپنی زندگی کا بہترین فیصلہ کروالیا۔ چنانچہ آج کا یہ وقت اللہ رب العزت سے مانگنے کا وقت ہے۔

اعمالِ حج پر گناہوں کی معافی کا وعدہ:

حج کے اعمال میں ہر حاجی کو بہت بڑا اجر ملتا ہے۔ ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے، ''جب کوئی حاجی شیطان کو کنکریاں مارتا ہے۔ تو ہر ہر کنکری مارنے کے بدلے میں اس کا ایک اتنا بڑا گناہ معاف کردیا جاتا ہے کہ اگر وہ گناہ معاف نہ ہوتا تو اس کے لیے جہنم میں جانے کا سبب بنتا۔''

اب سوچیے کہ حج کرنے سے کتنے بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر اتنے بڑے بڑے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں تو پھر اللہ رب العزت کی رحمت سے

خوب فائدہ اٹھائیے اور آج کے اس وقت میں خوب اللہ رب العزت سے مانگیے۔ اللہ رب العزت عطا کر کے بہت خوش ہوتے ہیں۔ دنیا والوں سے ایک دفعہ مانگو تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت سے ایک دفعہ مانگو تو وہ دیتے ہیں، دو دفعہ مانگو، تین دفعہ مانگو، بار بار مانگو تو اور خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ جو بندہ بار بار اللہ سے مانگے، ہر چیز اللہ سے مانگے اور ہر وقت اللہ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنا ولی بنا لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ تو کسی اور سے مانگتا ہی نہیں، یہ تو مجھ ہی سے مانگتا ہے، یہی میرا دوست ہے۔ سبحان اللہ! جب وہ دے کر اتنا خوش ہوتے ہیں تو ہم اللہ رب العزت سے خوب مانگیں تاکہ پروردگارِ عالم ہم پر مہربانی فرما دیں۔

فقیروں کے بھیس کا لحاظ:

دیکھیے! دنیا دار لوگوں کا بھی یہ اصول ہوتا ہے کہ وہ فقیروں کے بھیس کا لحاظ کر جاتے ہیں۔ کئی مرتبہ دنیا دار لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سامنے مانگنے والا فقیر آتا ہے، لیکن اس نے بھیس فقیروں کا بنایا ہوتا ہے، اور ہوتا ایسا ہی ہے، تو بھی وہ لحاظ کرتے ہوئے اس کو دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں، ہاتھ جو پھیلا رہا تھا۔ ارے! دنیا دار بندے جب بھیس کا لحاظ کرتے ہوئے فقیر کو دے دیتے ہیں، تو پھر اللہ رب العزت بھی تو بھیس کا لحاظ فرما لیتے ہیں۔ اگر ہم دو چادروں میں لپٹے فقیروں کا بھیس بنائے اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے، اپنے رب سے رب کو مانگیں گے اور اپنے رب سے اس کی محبت کا سوال کریں گے اور کہیں گے، یا اللہ! تو نے ہمیں یہاں پہنچا دیا، اب بھیس بنائے بیٹھے ہیں، پروردگارِ عالم! مہربانی فرما دینا، ہم فقیروں پر بھی احسان فرما دینا، تو اللہ رب العزت یقیناً ہم پر مہربانی فرمائیں گے اور ہماری اس جگہ کی حاضری کو قبول فرمائیں گے۔

وہ رب کریم تو مہربانی فرماتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میرے بندے مجھ سے اور زیادہ مانگیں۔ اس لیے اس سے خوب مانگیے۔ اس وقت کو خوب دعاؤں اور مناجات میں استعمال کیجیے۔

آنسوؤں کی قدر:

ایک اصول یادرکھیے کہ ہر ملک میں امپورٹڈ (درآمد شدہ) چیز کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ امپورٹڈ چیز اسے کہتے ہیں جو اس ملک میں نہ ملتی ہو، باہر سے منگوائی جائے۔ اس کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ وہ مہنگے داموں بھی بکتی ہے اور لوگ اس کو بڑی محبت سے خریدتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ کہتے ہیں کہ یہ امپورٹڈ چیز ہے۔ اگر دنیا میں یہ اصول ہے تو بالکل اسی طرح انسان کی آنکھ سے نکلنے والے ندامت کے آنسو بھی اللہ رب العزت کے ہاں بھی امپورٹڈ چیز ہوتے ہیں۔ کیونکہ ملائکہ رونا نہیں جانتے۔ وہ نماز پڑھ لیتے ہیں۔ کتنے ملائکہ ایسے ہیں جو مسلسل رکوع میں ہیں، ایسے بھی ہیں جو سجدے میں ہیں، ایسے بھی ہیں جو قیام میں ہیں، لیکن کوئی ایسا فرشتہ نہیں جو ندامت سے رونا جانتا ہو، یہ وہاں کی چیز نہیں۔ یہ دنیا سے وہاں پہنچتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ یہ ندامت کے آنسو اس مالک الملک کے لیے اس دیس سے گئی ہوئی چیز ہے۔ اس لیے فرشتے اس کو امپورٹڈ چیز سمجھتے ہیں اور وہ بھی اس کو بڑے شوق سے لے کر جاتے ہیں۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

اللہ رب العزت کے حضور ان آنسوؤں کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا گیا: مومن کی آنکھ سے نکلا ہوا ایک آنسو جو مکھی کے سر کے برابر ہوگا قیامت کے دن وہ بھی جہنم کی آگ سے بچانے کا سبب بن جائے گا۔

پلکوں کا بال...... باعث خوشنودی رب ذوالجلال:

ایک روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک وقت ایسا آئے گا ۔ جب جہنمیوں کو نکال لیا جائے گا۔ شفاعت کرنے والے شفاعت کرلیں گے ۔ حتیٰ کہ اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں رہے گا۔ اس وقت ایک بندہ بڑا پریشان ہوگا کہ میرا تو شفاعت کرنے والا بھی کوئی نہیں، میں کیسے نکلوں گا۔ اس وقت اس کی پلکوں کا ایک بال ہوگا، وہ بال اللہ رب العزت سے ہم کلامی کرے گا اور کہے گا: اے پروردگار! پوری زندگی میں یہ بندہ ایک مرتبہ تیری محبت میں اور گناہوں سے نادم ہوکر رویا تھا اور اس کی آنکھ سے اتنا آنسو نکلا تھا کہ میں تر ہو گیا تھا، میں بال گواہی دیتا ہوں ۔ پروردگار عالم فرشتے کو حکم دیں گے کہ ہم نے اس بال کی گواہی قبول کی، اعلان کردو کہ ہم نے اس کو جہنم سے نکال کر جنت عطا کردی۔

جب پروردگارِ عالم کے ہاں یہ عالم ہو کہ ایک بال کی گواہی پر بندے کی مغفرت کردیں گے تو آج کا دن تو مانگنے کا دن ہے، رورو کے مانگیے، اس لیے کہ ہمارے پلے تو کچھ نہیں۔

ہم تہی دامن ہیں مگر...... بجز ندامت کے پاس کیا ہے؟

اللہ والے تو یہاں

......اپنے دامن میں نیکیاں بھر کے لائے

......شب بیداریاں لے کر آئے

......دن کے روزے لے کر آئے

......تلاوتِ قرآن لے کے آئے

......تقویٰ وطہارت کی زندگی لے کے آئے

مگر ہم دیکھیں کہ ہمارے پاس کیا ہے؟

......ہم تو دامن میں گناہ بھر کے لائے

......دلوں میں ظلمت ہے

......دلوں میں سختی ہے

......دلوں میں غفلت ہے

ہم ایسا دل لے کے آئے کہ جو اللہ کے حضور پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اس لیے ندامت کے سوا اور تو کچھ ہے نہیں۔ لہٰذا ہم اللہ رب العزت کے حضور اپنے گناہوں سے نادم ہو کر اس سے فقط یہ سوال کریں:

''پروردگار عالم! میں بڑی دور سے آیا ہوں، اور بڑی دیر سے آیا ہوں، تیری رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں، پروردگار عالم! مہربانی فرما دینا اور میرے اس دل کو دھو دینا اور میرے دامن کو نیکیوں سے بھر دینا''

اللہ رب العزت کے ہاں ہماری یہ مانگی ہوئی دعائیں یقیناً قبول ہوں گی۔

ہم اپنے دلوں میں یہ نیت کر لیں کہ

وَفَدْتُّ عَلَى الْكَرِيْمِ بِغَيْرِ زَادٍ

''اور میں ایک کریم ذات کے پاس آیا ہوں بغیر کسی ساز و سامان کے۔''

مِنَ الْاَعْمَالِ بَلْ قَلْبِ السَّلِيْمِ

''نہ میرے پاس نیک اعمال ہیں نہ اچھا دل ہے۔''

فَاِنَّ الزَّادَ اَقْبَحُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

''ساز و سامان لے کر جانا اس وقت سب سے بُری چیز سمجھی جاتی ہے۔''

اِذَا كَانَ الْوُفُوْدُ عَلَى الْكَرِيْمِ

''جب کسی کریم ذات کے پاس حاضری دینی ہو۔''

جیسے کوئی دعوت کے لیے بلائے اور بندہ گھر سے کھانا لے کر جائے تو وہ میزبان

اس بات کو کتنا بُرا سمجھتا ہے کہ جی اپنے گھر سے کیوں لے کر آئے؟ تو جب ہمیں بھی ایک کریم ذات نے اپنے گھر مہمان بنا کر بلایا ہے۔ اور ہمارے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں، پیش کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں، تو ہم آئے بھی تو کریم ہی کے در پر ہیں، اس لیے ہم دل میں یوں سوچیں:

اِلٰهِىْ كَيْفَ اَدْعُوْكَ وَ اَنَا اٰثِم

''اللہ! میں کیسے دعائیں مانگوں، حالانکہ میں گناہ گار ہوں۔''

وَ كَيْفَ لَا اَدْعُوْكَ وَ اَنْتَ كَرِيْمٌ

''اللہ! میں کیسے دعا نہ مانگوں، باوجودیکہ تو اتنا کریم ہے۔''

ارے! کریم سے لینا بڑا ہی آسان ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کریم کہتے ہی اس کو ہیں جو دوسرے کو دیکھ کر اس کے مانگنے سے پہلے ہی اس کو دے دیا کرتا ہو۔ کتابوں میں علما نے کریم کا یہ معنی لکھا ہے کہ کریم اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے کے سوال کرنے سے پہلے اس کی کیفیت کو دیکھ کر اس کو عطا کر دینے والا ہو۔

اپنی پستی کا اقرار کریں:

جب ہم یہاں آکر بیٹھ گئے ہیں اور اللہ کے حضور اپنا دامن پھیلائیں گے، پروردگار تو دلوں کے بھید جاننے والے ہیں، ان کو معلوم ہے کہ یہ کس لیے یہاں بیٹھے ہیں، ان کے دلوں کے ارادے کیا ہیں، پروردگار کو سب کچھ معلوم ہے۔ لہٰذا دلوں کے اندر نیک تمنائیں ہوں۔ پھر دیکھنا کہ پروردگار ہماری بخشش کے کیسے فیصلے فرمائیں گے۔ اور ہمارے لیے آسانیاں ہو جائیں گی۔

پروردگارِ عالم بڑے مہربان ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میرے سامنے عاجزی کریں۔ پاک ہے وہ پرودگار جس نے اپنے تک پہنچنے کے لیے عاجزی

کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں بنایا۔ وہ ذات ہے جس کے سامنے بڑے بڑے فراعنہ ور جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ وہاں آ کے ہر ایک کو جھکنا ہی ہے۔ آج ہم اپنی گردنوں کو جھکا دیں، اللہ کے سامنے دامن پھیلا دیں اور اپنی پستی کا اقرار کر لیں اور کہہ دیں کہ اے اللہ! ؎

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے تیری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں اسے پھر بھی شوق وصال ہے

اے اللہ! تو ہم پر مہربانی فرما دینا، ہمارے پاس اعمال کا کوئی ذخیرہ اور سرمایہ تو نہیں، مگر اے اللہ! ہم یہاں حاضر ہو گئے ہیں، ہم آپ کے حضور اپنے دامن پھیلائے بیٹھے ہیں، اب مہربانی فرما دینا، آئندہ ہماری زندگی کو بدل دینا اور ہمیں آئندہ نیکو کاری میں وقت گزارنے کی توفیق عطا فرما دینا۔

پروردگار کو منانا سب سے آسان ہے:

کہتے ہیں کہ دنیا میں ماں کو منانا سب سے آسان کام ہوتا ہے، کتابوں میں بھی یہ بات لکھی ہوتی ہے کہ ساری دنیا میں انسان اگر اپنی ماں کو منانا چاہے تو عمومی طور پر اس کو منانا سب سے آسان کام سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ماں ناراض بھی ہوتی ہے تو دل سے ناراض نہیں ہوا کرتی۔ ہم نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ ماں ناراض ہے، بولتی نہیں، مگر اپنی بیٹی سے کہتی ہے کہ تیرے بھائی نے کھانا تو کھا لیا ہے یا نہیں؟ وہ ماں جو ناراض پھرتی ہے، بولتی نہیں، وہ ممتا کی وجہ سے اتنا مجبور ہے کہ بیٹی سے پوچھتی پھر رہی ہے کہ میرے بیٹے نے کھانا تو کھا لیا تھا یا نہیں کھایا؟، بیٹا سو لیا تھا یا نہیں سویا؟ ایک طرف اپنے غصے کی وجہ سے ناراض ہے اور دوسری طرف اپنی ممتا کی ماری پوچھتی ہے، بیٹے کو کھانا مل گیا ہے یا نہیں، پھر بیٹی کے ذریعے کھانا پہنچاتی ہے۔ ماں کی

تو ناراضگی بھی ایسی ہوتی ہے۔

اس لیے اگر ماں ناراض ہو اور بیٹا معافی مانگ لے تو فوراً معاف کر دیتی ہے۔ اگر بیٹا آ کر ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دے تو فوراً معاف کر دیتی ہیں۔ بلکہ اگر وہ آ کر اس کے سامنے اپنی آنکھوں سے دو آنسو بھی گرا دے کہ امی! مجھ سے غلطی ہوئی، تو بیٹے کے آنسو ماں سے کبھی نہیں دیکھے جاتے، وہ فوراً کہہ دیتی ہے: بیٹا! روئیں نہیں، چل میں نے تمہاری غلطی کو معاف کر دیا۔ تو اللہ رب العزت نے ماں کے دل میں اولاد کی اتنی محبت رکھ دی ہے، رحم رکھ دیا ہے، اس لیے ماں کو منانا سب سے آسان کام ہے۔

لیکن میرے محترم سامعین دوستو! اور محترم علمائے کرام! اس دنیا میں ماں کو منانے سے بھی زیادہ آسان کام ایک اور ہے، اور وہ ہے اللہ رب العزت کو منانا۔ ماں کو منانے کے لیے پھر بھی زبان سے کچھ کہنا پڑے گا، ہاتھوں کو بھی حرکت دینی پڑے گی، ہاتھ پکڑنا پڑے گا، دامن پکڑنا پڑے گا، زبان سے کچھ اظہار کرنا پڑے گا، کچھ ایسی حرکت کرنا پڑے گی تاکہ ماں کو پتہ چل جائے کہ بیٹے نے معافی مانگ لی۔ ارے! اللہ تعالیٰ کو منانے کے لیے زبان کو بھی حرکت دینی ضروری نہیں، جہاں بیٹھا ہے، فقط دل میں ہی نیت کر لے، وہ اتنا کریم پروردگار ہے کہ فقط دل کے ارادے پر توبہ کو قبول کر لیتے ہیں اور مہربانی فرما دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کتنا مشہور ہے کہ ایک مرتبہ چغلخور کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی تھی، سب وہیں بیٹھے ہیں، بارش شروع ہو گئی، پوچھا: اے پروردگار! بارش کیسے ہوئی؟ فرمایا: میرے پیارے پیغمبر علیہ السلام! جس کی وجہ سے رکی تھی اسی کی وجہ سے شروع ہو گئی۔ پوچھا: اے اللہ! وہ کیسے؟ فرمایا: اس نے دل میں ہی نیت کر لی تھی کہ اے اللہ! جب میں گناہ کرتا تھا تو نے اس وقت مجھے رسوا نہ کیا، اب میں نے توبہ کی نیت کر لی، اب مجھے رسوا نہ فرمایئے کہ مجھے اٹھ کر باہر جانا پڑے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے توبہ

قبول ہو جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کائنات میں سب سے آسان کام اپنے پروردگار کو منانا ہے۔ اس کے لیے دل میں نادم ہو جانا کافی ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

((اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ))

''دل کی ندامت ہی تو توبہ ہوا کرتی ہے۔''

ندامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما دے اور ہماری آج کی حاضری کو قبول فرما لے۔

حافظ ابن قیم نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک گلی میں سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک دروازہ کھلا اور اس دروازے کے اندر ایک ماں اپنے چھوٹے بچے کو پیٹ رہی تھی۔ تھپڑ مار رہی تھی۔ دھکے دے رہی تھی۔ بچہ زاروقطار رو رہا تھا۔ اور ماں نے دھکے دے کر اس کو باہر نکال دیا۔ باہر نکال کر کہنے لگی: تو میری بات نہیں مانتا، تو نے مجھے پریشان کر دیا، میں تجھ سے بہت ہی زیادہ ناراض ہوں، جب تو نے میری بات نہیں مانی تو پھر اس گھر سے ہی نکل جا۔ اس نے بچے کو باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا۔

فرماتے ہیں کہ میں وہیں کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ بچہ تھوڑی دیر تو روتا رہا۔ اس کے بعد وہ ایک طرف گلی میں چلنے لگا۔ مگر تھوڑی دور تک آگے چل کر کچھ سوچتا رہا اور سوچنے کے بعد پھر وہ واپس آ گیا اور پھر اسی دروازے پر بیٹھ گیا۔ اس نے دروازے کی دہلیز پر سر رکھا اور وہیں سو گیا۔ فرماتے ہیں کہ میں کھڑا دیکھتا رہا کہ بالآخر کیا ہوتا ہے؟

تھوڑی دیر کے بعد اس کی ماں نے کسی کام کے لیے دروازہ کھولا۔ کیا دیکھتی ہے کہ دروازے کی دہلیز پر بچے نے سر رکھا ہوا ہے اور وہ سویا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر ماں کا سارا غصہ ختم ہو گیا اور ماں کے دل میں محبت نے جوش مارا۔ اس نے بچے کو اٹھا کر

اپنے سینے سے لگا لیا۔ کہنے لگی: میرے بیٹے! میں تجھ سے سخت ناراض تھی، میں نے تجھے گھر سے دھکا دے دیا، لیکن تو نے بھی سوچا کہ اس در کے سوا کوئی دوسرا در نہیں، تیری کوئی دوسری ماں نہیں جو تمہیں محبت دے گی، جو تجھے پیار دے گی، تجھے پیار ملے گا تو اسی جگہ سے ملے گا۔ میرے بیٹے! تو یہیں سر رکھ کے سو گیا، جب تیرا کوئی اور گھر نہیں تو آ جا، میرے در کھلے ہیں، میں تیری ماں ہوں اور یہ گھر تیرے لیے ہی ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب ایک چھوٹے بچے پر ماں مہربان ہوگئی اور وہ خوش ہوگئی کہ میرا در چھوڑ کر نہیں گیا تو بھی جب اپنے رب کے در پر آ جاتا ہے اور دامن پھیلا دیتا ہے اور کہتا ہے: اے پروردگار! تیرے در کے سوا کوئی دوسرا در نہیں، انبیائے کرام کو بھی یہیں سے ملا، اولیائے کرام کو بھی یہیں سے ملا، اللہ! میں گناہ گار بھی تیرے در پر حاضر ہوں، مجھ پر مہربانی فرما دینا، اللہ! مجھے خالی نہ لوٹا دینا۔ یاد رکھنا! جو رب کریم کے در سے خالی اٹھ گیا، پھر اس کی بدبختی کے سوا کوئی اور دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہمیں دعا کرنی ہے کہ رب کریم! ہماری اس حاضری کو قبول فرما لے۔ ہمیں اسی در سے عطا فرما دے۔

اِلٰهِی عَبْدُكَ الْعَاصِیْ اَتَاكَ
مقر بِالذُّنُوْبِ وَ قَدْ دُعَاكَ
فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَ اَهْلٌ
وَ اِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ يَّرْحَمْ سِوَاكَ

اب معافی کے لیے دامن پھیلا دیں:

جب مانگنا بھی یہیں سے ہے اور ملنا بھی یہیں سے ہے تو پھر آیئے رب کریم کے سامنے اپنے دامن پھیلا دیں۔ ہم انسان ہیں، خطا کار ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں پر

ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کو بھی قبول فرمایا تھا۔ آج ہم بھی اپنے گناہوں کے پلندے لے کر آئے بیٹھے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمارے ان گناہوں کو معاف فرمادے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں عطا فرمادے ۔

آہ جاتی ہے اثر کو کھینچ لانے کے لیے
بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے
اے دعا! فریاد کر عرشِ بریں کو تھام کے
اے خدا! رخ پھیر دے اب گردشِ ایام کے
خلق کے راندے ہوئے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیرے در پر ہاتھ پھیلائے ہوئے
حق پرستوں کی اگر کی تو نے دل جوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں
رحم کر اپنے نہ آئینِ کرم کو بھول جا
ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا
خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
جو بھی ہیں آقا تیرے محبوب کی امت سے ہیں

یہی ایک نسبت لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ پروردگار! اور کچھ نہیں، مگر تیرے محبوب کے غلام ہیں۔ کلمہ پڑھنے والے تیرے بندے ہیں۔ اللہ! میرے لیے یہی عزت کافی ہے کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔ رب کریم! مہربانی فرمانا اور ہماری حاضری کو قبول کر لینا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور جو کچھ یہاں کہا گیا، سنا گیا قبول

فرما لے۔ اور اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمتوں کے ساتھ واپس لوٹائے۔
(آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ ٥ ﴾

احترامِ انسانیت

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامع مسجد زینب، معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

بتاریخ: 27 فروری 2009 برموقع: خطبہ جمعۃ المبارک

اقتباس

احترام انسانیت کا جو درس نبی علیہ السلام نے عطا فرمایا، وہ انسانوں میں یقیناً کسی اور نے نہیں دیا۔

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا لے کر آخری پیغام آئے
جھکانے آئے بندوں کی جبیں اللہ کے در پر
سکھانے آدمی کو آدمی کا احترام آئے
وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی
وہ آئے جب تو بندوں کو فرشتوں کے سلام آئے

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

احترامِ انسانیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَم﴾
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خوبصورت پہلو:

ربیع الاوّل کا مبارک مہینہ محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا مہینہ ہے۔ ہمارے اکابر کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اس مہینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو کھول کھول کر بیان کرتے تھے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سنے اور نقش قدم پر چل کر اللہ رب العزت کی رضا حاصل کر سکے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سیرت مبارکہ کا ایک خوبصورت پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو انسان کا احترام سکھایا۔ احترامِ انسانیت اور احترامِ آدمیت کی تعلیم دی۔ اللہ رب العزت نے بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ﴾

''اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو احترام بخشا''

الکریم کا لغوی معنیٰ:

اکرام اور احترام قریب المعنیٰ الفاظ ہیں۔ اسی طرح ایک لفظ اَلتَّکْرِیْم ہے۔ اس کا مادہ ہے ک، ر، م۔ اس کا مطلب ہوتا ہے:

شَرَفُ الشَّیْئِ فِی نَفْسِہٖ

''کسی چیز کے اندر شرف کا ہونا''

القاموس الوحید کے مؤلف نے اس کا معنی اعزاز لکھا ہے۔

الکریم کا مصداقِ حقیقی:

اللہ رب العزت کے اسما میں سے ایک اسم مبارک '' اَلْکَرِیْمُ '' بھی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْکَرِیْمُ هُوَ الَّذِیْ اِذَا قَدَرَ عَفَا وَ اِذَا وَعَدَ وَفّٰی وَاِذَا اَعْطٰی زَادَ عَلٰی مُنْتَهَی الرَّجَاءِ وَ لَا یُبَالِیْ کَمْ اَعْطٰی وَ لَا مَنْ اَعْطٰی

''کریم وہ ہوتا ہے کہ جب غلبہ پالے، تو وہ معاف کر دے، جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب دے تو لینے والوں کی امیدوں سے بڑھ کے عطا فرمائے اور اسے اس بات کی بھی پروا نہ ہو کہ وہ کس کو دے رہا ہے اور کتنا دے رہا ہے''

یعنی

......اپنے کو بھی دے، پرائے کو بھی دے،

......وفادار کو بھی دے، غدار کو بھی دے،

......نیکوں کو بھی دے، گناہگار کو بھی دے،

وَاِنْ رُفِعَتْ حَاجَةٌ اِلٰی غَیْرِہٖ لَا یَرْضٰی

''اور اگر حاجت اس کے کسی غیر کے سامنے لے جائی جائے تو وہ ناراض ہو جائے''

یعنی وہ اس بات کو برا سمجھے کہ میرے غیر سے کیوں مانگتے ہو، مجھ سے لو۔

وَ اِذَا جُفِیَ عَاتَبَ وَمَا اسْتَقْصٰی

''اور اگر اس سے جفا کی جائے تو وہ عذاب تو دے مگر عذاب کی انتہا نہ کرے''

وَلَا یَضِیْعُ مَنْ لَا ذَبِہٖ وَالْتَجَاءَ وَیُغْنِیْہِ عَنِ الْوَسَائِلِ وَالشُّفَعَاءِ

''اور جو بندہ اس کی پناہ لے اور التجا کرے تو اس التجا کرنے والے کو وہ وسائل اور سفارشیوں سے مستغنی کر دے''

جیسے اللہ رب العزت سے لینے کے لیے انسان ڈائریکٹ (بلاواسطہ) دعا مانگ سکتا ہے۔ فَمَنِ اجْتَمَعَ لَہٗ جَمِیْعُ ذٰلِكَ لَا بِالتَّکَلُّفِ'' جس میں یہ تمام صفات جمع ہو جائیں، اور وہ تکلف سے نہ ہوں' فَھُوَ الْکَرِیْمُ الْمُطْلَقَ ''اس کو کریم کہتے ہیں' وَ ذٰلِكَ ھُوَاللّٰہُ تَعَالٰی (وہ اللہ تعالیٰ ہے)

صاف ظاہر ہے کہ یہ صفات اللہ رب العزت ہی کو بجتی ہیں۔

اَلتَّکْرِیْم کی اصطلاحی تعریف:

اَلتَّکْرِیْم کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟ امام قرطبی فرماتے ہیں:

تَکْرِیْمُ الْاِنْسَانِ ھُوَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ لَہٗ مِنَ الشَّرْفِ وَ الْفَضْلِ

''اللہ رب العزت نے انسان کی شرف اور فضل عطا فرمایا، یہ اس کا احترام ہے''

تکریم انسانی کی چند مثالیں:

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو کیا شرف بخشا؟ فرمایا:

وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ

''اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو احترام بخشا''

اس احترام کی چند مثالیں سن لیجیے:

⊙...... خَلَقَهُ بِيَدَيْهِ اللہ رب العزت نے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

⊙...... اَلصُّوْرَةُ الْحَسَنَةُ اللہ ربّ العزت نے انسان کو بہترین صورت عطا فرمائی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم

⊙...... مَنَحَهُ الْعَقَلَ۔ اللہ رب العزت نے اسے عقل کا نور عطا کیا۔

⊙...... مَنَحَهُ النُّطْقَ۔ اللہ رب العزت نے اسے بولنے کی صفت عطا فرمائی۔

⊙...... اَکْرَمَهُ بِالنِّعَمِ۔ اللہ رب العزت نے نعمتوں سے اس کا اکرام فرمایا۔ کتنی نعمتیں؟

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

''اور اگر تم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن بھی نہیں سکتے''

⊙...... اللہ رب العزت نے باقی تمام مخلوق کے اوپر اس کو فضیلت عطا فرمائی۔ مثلاً: انسان کو دو ہاتھ عطا فرمائے۔ باقی مخلوق ہاتھوں سے وہ کام نہیں کر سکتی، جو انسان اپنے ہاتھوں سے کر سکتا ہے۔

⊙...... فَضَّلَهُ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ

اللہ تعالیٰ نے اسے بہت ساری مخلوقات پر فضیلت دی

پھر اللہ رب العزت نے ان انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے پیارے رسولوں کو بھیجا۔ اس سے بھی اللہ رب العزت نے انسانوں کو احترام بخشا۔

○......حُبُّ اللّٰهِ لِلْاِنْسَانِ

اللہ تعالیٰ کا انسان سے محبت کرنا۔

پھر انسان کو ایسی صفات عطا فرمائیں جن سے اللہ رب العزت کو محبت ہے۔ چنانچہ:

محسنین سے محبت

توابین سے محبت

متقین سے محبت

متوکلین سے محبت

اللہ رب العزت کو ایسی صفات سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ صفات پیدا فرمائی ہیں۔

○......مَعِيَّةُ اللّٰهِ لِلْاِنْسَانِ

انسان کو یہ شرف بخشا کہ ارشاد فرمایا:

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

○......حِفْظُ الْاِنْسَانِ

انسان کی حفاظت فرمائی۔ آج ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے طور پر دنیا میں آرام سے رہ رہے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہی نہیں...... ہزاروں ٹن مادہ اس زمین پر روزانہ باہر سے گرتا ہے، مگر اللہ رب العزت نے زمین کے گرد ایسے حصار بنا دیئے ہیں کہ وہ مادہ وہیں پہ جل کے ختم ہو جاتا ہے اور انسان کو اس کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔

احترامِ انسانیت کے دو بنیادی اصول:

دینِ اسلام نے احترامِ انسانیت کے دو بنیادی اصول بتائے ہیں۔

☆...... ایک بات یہ فرمائی کہ جب تم آپس میں ملو تو انسانوں کی طرح ملو! وہ

کیسے؟ فرمایا:

﴿ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ﴾

کہ جب تو کسی سے ملے تو خندہ پیشانی سے مل۔ خَــدَّكَ کہتے ہیں، گال کو۔ تو فرمایا کہ تو گال پھلا کر نہ مل۔ جیسے کئی لوگ جب غصے میں ملتے ہیں تو ان کا منہ پھولا ہوا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جب بھی تم کسی دوسرے انسان کو ملو تو شگفتہ چہرے کے ساتھ...... مسکراتے چہرے کے ساتھ...... ہنس مکھ ہو کر ملو۔ اس لیے کہ تمہیں غصے میں دیکھ کر دوسرا بندہ دور بھاگے گا اور تمہارے چہرے پر محبت اور مسکراہٹ دیکھ کر دوسرا بندہ قریب آئے گا۔ اسے وحشت نہیں ہوگی۔ اس اصول میں صرف مسلمانوں کی قید نہیں لگائی۔ بلکہ فرمایا: لِلـنَّـاس (انسان)۔ یعنی جو بھی خدا کا بندہ ملے، قرآن مجید ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ جب بھی ہم اس سے ملیں تو شگفتہ چہرے سے ملیں۔

ایک ہوتا ہے ملنا، اور ایک ہوتا ہے کسی سے محبت کرنا۔ یہ دونوں الگ چیزیں ہیں۔ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں انسان خوشی اور غمی دوسرے بندے سے شیئر کرتا ہے۔ شریعت نے اس پر پابندی لگا دی کہ محبت صرف ایمان والوں سے رکھو۔ اس لیے کہ اگر کفار سے محبت رکھو گے تو تم ان کے عقائد کو بھی قبول کر لو گے۔ لہٰذا محبت کا تعلق فقط ایمان والوں سے رکھنے کی اجازت ہے۔ میل جول، لین دین اور تجارت ہر بندے سے کر سکتے ہیں۔

☆...... دوسری بات یہ ارشاد فرمائی:

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

''انسانوں سے اچھے انداز میں گفتگو کرو''

تمہارے الفاظ کا چناؤ ایسا ہو، تمہاری بات کا انداز ایسا ہو کہ وہ بات دوسرے کے دل میں اپنائیت پیدا کر دیں۔ دوسرے کے دل میں محبت کے جذبات کو جگا

دیں۔

یہی دو چیزیں ہی تو ہیں جن کی وجہ سے انسان دوسرے کے بارے میں ایک تصور قائم کرتا ہے کہ یہ بندہ کیسا ہے۔ پہلا...... ملا کیسے؟ اور دوسرا...... بات کا انداز کیسے تھا؟ تو دیکھیں کہ شریعت نے کیسی اچھی بنیاد بنائی کہ انسان ہونے کے ناتے یہ دو کام تو تمہیں کرنے ہی ہیں کہ شگفتہ چہرے سے ملو اور جب بات کرو تو اچھے انداز سے بات کرو۔

☆...... لہجہ نرم ہو،

☆...... محبت اس میں ٹپکتی ہو،

☆...... شرافت اس میں جھلکتی ہو۔

اگر ان دو اصولوں پر ہم عمل کر لیں تو لوگ ہمارے ساتھ ملنے جلنے میں وحشت اور اجنبیت محسوس نہیں کریں گے۔

دفعِ شر اور نفع رسانی کی تعلیم:

نبی علیہ السلام نے اس تعلیم کو اور آگے کھول کر بیان فرمایا۔

☆...... آپ ﷺ نے ایک بات تو یہ بتلائی کہ:

تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ

''تو روک لے اپنے شر کو دوسرے انسانوں سے''

ہر بندے کے اندر خیر بھی ہے شر بھی ہے۔ تو فرمایا کہ تم اپنا شر دوسرے انسانوں تک نہ پہنچاؤ۔ اس کو اپنے تک ہی رکھو۔ مثال کے طور پر کئی مرتبہ بندہ چاہتا ہے کہ دوسرے کا مذاق اڑائے۔ شریعت کہتی ہے کہ یہ جو تمہارے اندر Temptation (تحریک) پیدا ہو رہی ہے تم اسے روکو۔ اگر تم دوسرے بندے کو اس طرح مجلس کے

اندر ایذا پہنچاؤ گے تو یہ مناسب نہیں۔ لہٰذا اس شر سے دوسروں کو بچانا ہے۔

...... بیوی اپنے شر سے خاوند کو بچائے،

...... خاوند اپنے شر سے بیوی کو بچائے،

...... بھائی اپنے شر سے بھائی کو بچائے،

...... ساتھی اپنے شر سے ساتھی کو بچائے،

...... طالب علم اپنے شر سے دوسرے طالب علم کو بچائے۔

شر تو ہر ایک میں ہے۔ ہم فرشتے نہیں ہیں۔ مگر اس شر سے دوسروں کو بچانا بھی ہے۔ یہ شر سے بچالینا ایک عظیم عمل ہے۔

☆...... اللہ کے محبوب ﷺ نے دوسری بات میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور فرمایا:

اَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ

''اللہ رب العزت کو اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ وہ پسند ہے جو اس کے بندوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔''

تو فرمایا کہ فقط شر سے ہی نہیں بچانا بلکہ تمہارے اندر جو خیر ہے، جو نفع ہے، تم لوگوں کو وہ بھی پہنچاؤ۔ لوگ تم سے نفع پائیں۔ اب اس میں صرف مسلمانوں کا تذکرہ نہیں ہے...... لِلنَّاس...... جو اللہ کے تمام بندوں کے لیے نفع کا ذریعہ بننے والا ہو، اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ سب سے زیادہ پسند ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے کیا ہی خوب صورت تعلیم عطا ئی فرمائی!

بہترین عمل:

نبی علیہ السلام نے اس کا ایک مرکزی نقطہ بھی سمجھایا، جس نقطہ نے سب انسانوں کو ایک بنا دیا۔...... وہ نقطہ کیا تھا؟...... ارشاد فرمایا:

اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ

''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے''

فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ

''لہٰذا اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے سب سے اچھا وہ لگتا ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے والا ہو۔''

اللہ کے بندوں کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے بھلا کرنا، یہ اعمال میں سے بہترین عمل ہے۔

انسانوں کا غم بانٹنے کی فضیلت:

اس عمل کا اندازہ ہمیں اس دن ہوگا جب ہم اللہ رب العزت کے حضور پہنچیں گے۔ حدیث مبارکہ میں مسلم شریف کی روایت ہے: قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور ایک بندہ پیش ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے قیامت کے دن فرمائیں گے:

''اے آدم کے بیٹے! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی ہی نہیں کی''

اب یہ سوال سن کر وہ بندہ بڑا حیران ہوگا۔

وہ کہے گا: اے پروردگار! میں آپ کی بیمار پرسی کیسے کرتا، آپ تو جہانوں کے پروردگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تمہیں پتا نہیں تھا کہ فلاں بندہ بیمار ہے اور تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔

کیا تمہیں اس بات کا پتا نہیں تھا کہ اگر تو اس بندے کی عیادت کرتا تو تُو مجھے وہاں پالیتا...... اس بندے کی عیادت کرنے پر تجھے میری رضا ملتی، میرا تعلق اور میرا وصل نصیب ہوتا۔ اللہ اکبر کبیرا! کسی بیمار کی عیادت کرنا اللہ کو اتنا پسند ہے!...... پھر اللہ

تعالیٰ فرمائیں گے: یاابن ادم! اے آدم کے بیٹے!

اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ

''میں نے تم سے کھانا مانگا اور تم نے مجھے کھانا ہی نہیں دیا''

وہ کہے گا: ''اے پروردگار! میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا؟ آپ تو جہانوں کے پروردگار ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تو نہیں جانتا کہ فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اس کو نہیں کھلایا۔ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے وہاں پالیتا۔

اے آدم کے بیٹے!

اِسْتَسْقَیْتُکَ فَلَا تَسْقِنِیْ

''میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے پانی نہیں دیا''

وہ کہے گا: اے پروردگار! میں آپ کو کیسے پانی پلا سکتا ہوں؟ آپ تو جہانوں کے پروردگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے نہیں پلایا تھا۔ اگر تو اسے پانی پلاتا تو تو مجھے وہاں پالیتا۔

اس حدیث مبارکہ میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔

- کسی بندے کی بیماری میں اس کی عیادت کرنا۔
- کسی کو کھانا کھلانا۔
- کسی کو پانی پلانا۔

یہ تینوں اتنے عظیم عمل ہیں کہ فرمایا کہ اگر تم یہ کام کرتے تو تم مجھے وہاں پالیتے۔ تو سوچیں کہ اللہ کے بندوں کے غم بانٹنا اللہ رب العزت کو کتنا پسند ہے۔ یہی تو اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ میرے بندے ایک دوسرے کے ساتھ اپنے غم شیئر کریں۔ یہ

نہیں ہے کہ ایک بندہ مصیبت میں مبتلا ہے اور دوسرے من مرضی کی زندگی گزارتے رہیں۔ مومن ایسا ہوتا ہے کہ

خنجر لگے کسی کو تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مومن کو ہر ایک کا غم مغموم کرتا ہے۔ اسلام ہمیں اخوت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے ؎

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

یہ انسانیت ہے:

ایک انگریز مصنف تھا۔ اس نے ایک ناول لکھا۔ اس نے اس میں لکھا کہ آنے والے وقت میں سائنس اتنی ترقی کر لے گی کہ ہم بہتر مشینیں اور بہتر روبوٹ بنالیں گے۔ ایسا روبوٹ بنائیں گے جو انسان سے دیکھنے میں بھی اعلیٰ، بولنے میں بھی اعلیٰ اور کام کرنے میں بھی اعلیٰ ہوگا۔ یعنی ہر لحاظ سے اعلیٰ ہوگا۔ تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور کہے گا: اے اللہ! آپ نے بندہ بنایا اور میں نے روبوٹ بنایا۔ دیکھیں کہ میرا روبوٹ سب سے بہتر ہے۔ سٹین لیس سٹیل کا بنا ہوا...... زنگ نہیں لگتا...... بوڑھا نہیں ہوتا...... خراب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا! دکھاؤ کیسا ہے؟ وہ اپنے روبوٹ کو چلائے گا تو دو تین مشینیں چلنا شروع ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان میں کوئی خرابی پیدا کر دیں گے تو اس کا ایک پرزہ ٹھک کر کے ٹوٹ جائے گا۔ وہ مشین بند ہو جائے گی اور باقی چلتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم نے اپنی مشینوں کو دیکھ لیا ایک خراب ہوگئی اور باقی چلتی رہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے دو تین بندوں کو کھڑا کریں گے۔ پھر اللہ رب

العزت ان میں سے ایک بندے کے پیٹ میں درد پیدا کر دیں گے۔ جب وہ بندہ درد سے کراہنے لگے گا تو دوسرے بندے اس کے قریب آئیں گے، پوچھیں گے کہ آپ کو کیا ہوا؟ آپ کو کہاں تکلیف ہے؟ کوئی پاؤں دبانے لگے گا، کوئی سر دبانے لگے گا، اور ان میں سے ایک کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے کہ یہ کتنی تکلیف میں ہے۔

اللہ رب العزت اس وقت بندے سے فرمائیں گے: دیکھا! میرے ایک بندے کو تکلیف پہنچی اور دوسرے بندے کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے، یہ انسانیت ہے۔ اس پر وہ بندہ تسلیم کرے گا کہ یا اللہ! تیرا بنایا ہوا بندہ میری اس مشین سے واقعی لاکھوں درجے بہتر ہے۔

اگر ہمارے اندر یہ ہمدردی نہیں، انسانی اخوت نہیں، ایک دوسرے کے ساتھ محبت پیار سے رہنا سہنا نہیں تو ہم میں اور مشینوں میں کیا فرق ہے۔ انسان کی فضیلت اسی میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے غم اور خوشی کو شیئر کرنے کے جذبات رکھتا ہے۔ اور یہی اللہ رب العزت چاہتے ہیں۔

مخلوقِ خدا پر رحم کرنے کی تعلیم:

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ ۔ يَرْحَمُكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ

”رحم کرنے والوں پر اللہ رب العزت رحم فرماتے ہیں، تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔“

یہ حدیث مبارکہ مسلسل بالاولیت ہے۔ جو محدثین حدیث کی تعلیم دیتے تھے وہ سب سے پہلے یہی حدیث پڑھاتے تھے۔ کتنا پیارا مضمون ہے کہ تم زمین والوں پر رحم

کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

ہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہیں۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسی کا بندہ بنوں گا جس کو
خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اللہ کے بندوں سے اللہ کے لیے پیار ہو۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ اَبِیْ مُوسٰی اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ

''ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔''

لَنْ تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَرَاحَمُوْا

''تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم رحم کرنے والے نہ بن جاؤ۔''

قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کُلُّنَا رَحِیْمٌ

''انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! ہم تو سب کے سب رحم کرتے ہیں۔''

یہ صفت تو ہم میں موجود ہے۔

''فرمایا: اس سے مراد تمہارا کسی دوست کے ساتھ رحیم بن کر رہنا نہیں، بلکہ

اس سے مراد عمومی رحمت ہے۔''

گویا مومن کا مزاج عمومی طور پر رحمت والا ہونا چاہیے۔ جبار بن کے رہنا، دوسروں کے ساتھ فرعون بن کے رہنا، تکبر کے ساتھ رہنا، عجب کے ساتھ رہنا، یہ چیزیں اللہ رب العزت کو بہت ناپسند ہیں۔ فرمایا کہ تم اس وقت مومن بھی نہیں ہو سکتے جب تک تمہارے اندر یہ صفت نہ ہو۔ بعض لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم جب گھر میں داخل ہوں تو بس کرفیو لگ جانا چاہیے۔ بچے ڈر کے مارے ادھر اُدھر چھپ رہے ہوں اور بیوی کانپ رہی ہو۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

بلکہ

کس شیر کی آمد ہے کہ ''رن'' کانپ ''رہی'' ہے

مساواتِ عامہ کی تعلیم:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ذریعے ہمیں بہت ہی خوب صورت تعلیم دی۔ وہ ہے ''مساواتِ عامہ''۔ کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔ اس نسبت سے ہم سب ایک ہیں۔ نہ رنگ کی وجہ سے کسی کو فضیلت حاصل ہے نہ زبان کی وجہ سے...... آج کی دنیا چودہ سو سال کے بعد اپنے آپ کو بڑی تعلیم یافتہ سمجھتے ہوئے کہتے ہے کہ Diserimination of Colour & Speech. (رنگ اور زبان کا فرق) نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تعلیم آپ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے عطا فرما دی تھی۔ چنانچہ زاد المعاد کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ

''عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں''

وَ لَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ

''اور عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں''

وَلَا لِاَبْیَضَ عَلٰی اَسْوَدَ

''اور گورے کو کالے پر فضیلت حاصل نہیں''

وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَبْیَضَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی

''اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں' ہاں اگر کوئی فضیلت ہے تو پرہیزگاری کی وجہ سے ہے''

غلاموں سے حسنِ سلوک کی تعلیم:

ایک مرتبہ ایک عجیب سا واقعہ پیش آیا۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام رنگ کا کالا تھا۔ وہ کوئی غلطی کر بیٹھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو طعنہ دے دیا اور کہا:

یَا ابْنَ سَوْدَا (اے کالی کے بیٹے)

جیسے ماں کی طرف سے طعنہ دے دیتے ہیں۔ گویا حبشن کا بیٹا کہہ دیا۔ اس کا تذکرہ حدیث مبارک میں موجود ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ اِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَیَّرْتُہٗ بِاُمِّہٖ

''ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے ایک آدمی سے تلخ کلامی کی اور اس کو ماں کی طرف سے طعنہ دے دیا''

کہ تو کالی کا بیٹا ہے۔

فَقَالَ لِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: یَا اَبَا ذَرٍّ اَعَیَّرْتَہٗ بِاُمِّہٖ اِنَّکَ اِمْرُءٌ فِیْکَ جَاہِلِیَّۃٌ

''پس مجھے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! کیا تم نے اس کو ماں کی طرف سے عار دلائی، تو ایسا بندہ ہے کہ تیرے اندر ابھی جاہلیت کی باتیں

ہیں؟“

اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَ لْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبِسُ وَ لَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَّا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ

”یہ تمہارے غلام، تمہارے بھائی ہیں، ان کو اللہ نے تمہارا ماتحت بنایا ہے۔ تو جس کا کوئی غلام ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ جو خود کھائے اسے بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہ اس کو بھی پہنائے اور ان کو ایسی تکلیف میں نہ ڈالے کہ وہ تکلیف ان پر غالب آجائے (یعنی ان پر ہمت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے) اور اگر کوئی ایسا بوجھ ڈالو تو تم ان کی مدد بھی کرو“

جب ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے یہ بات سنی تو ان کو احساس ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے غلام کے پاس گیا اور میں وہاں لیٹ گیا۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنا سر زمین کے اوپر رکھ دیا اور اس غلام سے کہا کہ جب تک تو میرے رخسار پر اپنا پاؤں نہیں رکھے گا، اس وقت تک میں زمین سے نہیں اٹھوں گا...... نبی علیہ السلام کی صحبت پانے کا حق ادا کر دیا...... حتیٰ کہ غلام نے اپنا پاؤں ان کے رخسار پر رکھا، تب انہوں نے زمین سے اپنا سر اٹھایا۔

اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی کیسے تربیت فرمائی!

حسنِ معاشرت کے زریں اصول:

نبی علیہ السلام نے مل جل کر رہنے کے بہت خوب صورت اصول بتائے۔ مثال کے طور پر:

☆......ارشاد فرمایا:

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا

''تم آسانی پیدا کرو، مشکل پیدا نہ کرو، خوش خبری دو اور لوگوں کے اندر نفرت پیدا نہ کرو۔''

تو گویا ایک دوسرے کا لحاظ کرنا سکھایا۔

☆......ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا

''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کھاتا اور بڑوں کا اکرام نہیں کرتا، وہ ہم میں سے ہی نہیں۔''

☆...... یہ بھی فرمایا:

اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ

''تم لوگوں کو ان کے مرتبے کے مطابق اتارو''

یعنی اس بندے کے مرتبے کے مطابق اس سے ڈیلنگ کرو۔

☆......حتیٰ کہ یہ بھی فرما دیا:

اِذَا اَتَاكُمْ كَرِيْمَ قَوْمٍ فَاَكْرِمُوْهُ

''اگر تمہارے پاس کسی قوم کا بڑا آ جائے تو اس کا احترام کرو۔''

غور کریں کہ اس میں فقط مسلمان ہی کا تذکرہ نہیں ہے نا۔ کسی بھی قوم کا بڑا آ سکتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم اس کا اکرام کرو۔

خوتِ انسانی کی تعلیم:

مسلمان معاشرے میں رہنے سہنے کا یہ سلیقہ بھی سکھا دیا کہ آپس میں محبت اور پیار سے رہو۔

☆...... چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا

''تم ایک دوسرے کے اندر برائی کی باتیں تلاش نہ کرو اور عیب نہ ڈھونڈو''

☆......اور ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا

''اور تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو۔''

☆......اور فرمایا:

وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

''اور اللہ کے بندو! تم بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔''

سبحان اللہ! یہ کیسا پیارا تصور ہے کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں اور اس انسانی بنیاد پر ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

مذاق اڑانے کی مذمت:

کسی دوسرے بندے کا مذاق اڑانا اور مجلس میں اس کی بے حرمتی کرنا، یہ اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ ﴾

''تم میں سے ایک جماعت دوسری کا مذاق مت اڑائے۔''

ہم اسے سمجھتے ہی کچھ نہیں۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللہ

مذاق اڑانے والے کا اہانت آمیز انجام:

دوسروں کا مذاق اڑانے والوں کو کیا عذاب ہوگا؟......ذرا توجہ کے ساتھ سنیے:

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ بِالنَّاسِ

''حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ جو دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔''

بات بات پہ ٹانٹ کر دینا، ہنسنا، مسکرانا، اس کے عیب کا اشارہ کر دینا۔ مذاق کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ آگے فرمایا:

يُفْتَحُ لِاَحَدِهِمْ بَابٌ مِّنَ الْجَنَّةِ ، فَيُقَالُ لَهُ: هَلُمَّ هَلُمَّ فَيَجِيْءُ بِكَرْبِهٖ وَ غَمِّهٖ فَاِذَا جَاءَ اُغْلِقَ دُوْنَهٗ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ اُخَرُ فَيُقَالُ لَهُ: هَلُمَّ هَلُمَّ فَيَجِيْءُ بِكَرْبِهٖ وَ غَمِّهٖ فَاِذَا اَتَاهُ اُغْلِقَ دُوْنَهٗ فَمَا يَزَالُ كَذَالِكَ ، حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ لَيُفْتَحُ لَهُ الْبَابُ فَيُقَالُ لَهُ: هَلُمَّ هَلُمَّ ، فَمَا يَاْتِيْهِ

''ان مذاق اڑانے والوں میں سے ایک بندے کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا، آجاؤ آجاؤ ادھر سے جنت میں پھر وہ اپنی تکلیف اور غم کے باوجود اس دروازے تک پہنچے گا۔ جب دروازے پر پہنچ جائے گا تو اس دروازے کو بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس کے لیے دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا، ادھر سے آجاؤ ادھر سے آجاؤ۔ جب وہ اپنی تکلیف اور غم کے ساتھ دوسرے دروازے پر جائے گا تو اس کو بھی بند کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ بار بار ایسا ہوتا رہے گا، حتی کہ اس کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور یہ بندہ جنت کے دروازے کی طرف ہی نہیں بڑھے گا۔

وہ جنت کے دروازے کی طرف اس لیے نہیں بڑھے گا کہ وہ سمجھ جائے گا کہ آج میرے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔ جو دنیا میں مذاق کرے گا آخرت میں اس کے ساتھ

اس طرح کا معاملہ کیا جائے گا۔ اس کو کہتے ہیں، **جزاء من جنس العمل**......اسے کہا جائے گا کہ تو لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کرتا تھا۔ جو تو نے بویا تھا آج اسے کاٹ لے گا۔ اس دن احساس ہو گا کہ میں اللہ کے بندوں کا مذاق کیوں اڑاتا تھا۔ اس لیے ہمیں دنیا میں آپس میں محبت و پیار سے رہنا چاہیے۔

جوامع الکلم:

اس سلسلے میں نبی علیہ السلام نے ایک بات ارشاد فرمائی جو جوامع الکلم میں سے ہے۔ وہ سونے کے پانی سے لکھنے والی بات ہے۔ اگر انسان اس پر عمل کرلے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسے دنیا میں ہی جنت میں رہنے جیسا مزا آنا شروع ہو جائے۔ ارشاد فرمایا:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ

''جو تجھے توڑے اسے جوڑ۔''

وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ

''جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے۔''

وَ اَحْسِنْ مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ

''اور جو تیرے ساتھ برا سلوک کرے تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر دے۔''

یہ ولایت کی ایسی صفات ہیں جو اللہ کے حبیب ﷺ چاہتے تھے کہ یہ ہر مومن کے اندر پیدا ہو جائیں۔

انسانی رشتوں کے چار دائرے

ہمارے دنیا میں جو رشتے ہیں ان کا نیوکلیئس اور مرکزی نقطہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بندے ہیں۔ پھر اس نیوکلیئس کے اردگرد مختلف دائرے ہیں۔ اب ان دائروں

کی تفصیل سنیے۔

(۱)......نسب کا دائرہ

جو دائرہ اس مرکز کے سب سے قریب ہے اس دائرے کو''نسب'' کہتے ہیں۔خونی رشتہ۔ایک گھر کے اندر جو لوگ رہتے ہیں اور ان کے عزیز،اقرباء اور قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں،وہ اس نسب کے دائرے کے اندر داخل ہیں۔شریعت نے ان سب کو آپ میں پیار اور محبت سے رہنے کا طریقہ سکھایا ہے۔اب اس میں کون لوگ ہوتے ہیں؟ماں باپ،اولاد،بہن بھائی،خاوند بیوی،بیٹا بیٹی،اقرباء۔دین اسلام نے ایک ایک کی عزت کرنا سکھائی۔مثال کے طور پر:

◉......ماں کے بارے میں فرمایا:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ

''جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

◉......باپ کے بارے میں فرمایا:

رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ

''باپ کی رضا میں اللہ کی رضا شامل ہے۔''

◉......بیوی کو خاوند کی عزت سکھائی۔فرمایا:

لَوْ اَمَرْتُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا

''اگر میں مخلوق میں سے کسی ایک کو دوسرے کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''

اتنا احترام سکھایا۔

◎......اور خاوند کو کیا سکھایا؟ ارشاد فرمایا:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِهٖ

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے اہل خانہ (بیوی) کے لیے بہتر ہے۔''

◎...... بیٹے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

رِیْحُ الْوَلَدِ مِنْ رِیْحِ الْجَنَّةِ (طبرانی)

''بیٹے کی خوشبو جنت کی خوشبو ہے''

◎......بیٹی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَنْ کَانَتْ لَهٗ اُنْثٰی فَلَمْ یَئِدْھَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَیْھَا اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ

''جس کی بیٹی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اور بیٹے کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے''

☆...... بھائی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

حَقُّ کَبِیْرِ الْاِخْوَةِ عَلَی الصَّغِیْرِ کَحَقِّ الْوَالِدِ عَلَی الْوَلَدِ

''بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی پر ایسا ہی حق ہے جیسے باپ کا بیٹے پر حق ہوتا ہے''

اس میں بھائی کو بھائی کا احترام سکھایا۔ اسی طرح اعزا و اقربا کے ساتھ محبت و پیار کے ساتھ رہنا سکھایا۔ اس کو صلہ رحمی کہا گیا کہ جہاں رشتہ داری ہو، وہاں تعلقات جوڑ کے رکھنے چاہئیں۔ اس کا مرتبہ یہاں تک بنایا کہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی سے فرمایا،

''جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا، جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں

گا۔“

اللہ رب العزت ایسے بندے کو ناپسند فرماتے ہیں جو قطع رحمی کرنے والا ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ يَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾

”اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا وہ ان رشتوں کو توڑ دیتے ہیں۔“

آج تو ان رشتوں کو توڑنے پر ایک منٹ بھی نہیں لگتا۔

☆...... بھائی بھائی سے کہہ دیتا ہے کہ میں نے آج کے بعد آپ سے نہیں بولنا،

☆...... بہن بھائی کو کہتی ہے،

☆...... رشتہ دار رشتہ دار کو کہہ دیتا ہے۔

سالہا سال کا تعلق ہوتا ہے اور ایک لمحے کے اندر آنکھیں بدل لیتے ہیں۔ خون اتنا سفید ہو گیا...... بیٹا اپنے باپ کو بڑھاپے اندر چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، جبکہ وہ اس کی خدمت کا محتاج ہوتا ہے۔

(۲)...... جیران کا دائرہ:

نسب کے دائرے کے گرد ایک اور وسیع دائرہ ہے۔ شریعت نے اس کو جیران (پڑوس) کا دائرہ کہا ہے۔ چنانچہ انسان کے گھر کے ساتھ چاروں طرف چالیس گھر پڑوس کے ضمن میں آتے ہیں۔ پورا محلہ ہی سمجھ لیں۔ یہ لوگ پڑوسی کہلاتے ہیں۔ شریعت نے پڑوسیوں کا مستقل حق بنا دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

پڑوسیوں کو ایذا پہنچانے کی مذمت:

ایک حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ لَا یُؤْمِنُ وَ اللّٰهُ لَا یُؤْمِنُ وَ اللّٰهُ لَا یُؤْمِنُ

''اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان والا نہیں۔''

اللہ کے حبیب ﷺ نے تین مرتبہ قسم کھا کر کہا کہ وہ شخص مومن نہیں۔

مَنْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ

''جس کا پڑوسی اس کی ایذا سے بچا ہوا نہیں۔''

اللہ کے حبیب ﷺ کا صرف کہہ دینا ہی کافی تھا۔ اس زبان فیض ترجمان سے، جس سے ہمیں قرآن ملا، ان الفاظ کا صادر ہو جانا، یہ کافی تھا۔ چہ جائیکہ تین بار قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ایمان والا نہیں جس کے شر سے اس کے پڑوسی بچے ہوئے نہ ہوں۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَا زَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ فِی الْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ

''جبریل علیہ السلام پڑوسی کے حقوق کے بارے میں بتلانے کے لیے میرے پاس اتنا آتے رہے کہ مجھے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو بندے کی وراثت میں شامل کر دیا جائے گا۔''

تین قسم کے پڑوسی:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْجِیْرَانَ ثَلَاثَۃٌ: جَارٌ لَہٗ حَقٌّ وَّاحِد جَارٌ لَّہٗ حَقَّان وَ جَارٌ لَہٗ ثَلَاثَۃَ حُقُوْقٍ

''پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کا ایک حق ہوتا

ہے۔ایک پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے دوحق ہوتے ہیں،اورایک پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے تین حق ہوتے ہیں۔''

فَالْجَارُ الَّذِیْ لَهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ :اَلْجَارُ الْمُسْلِمُ ذُوْالرَّحِمِ فَلَهٗ حَقُّ الْجِوَارِ وَ حَقُّ الْاِسْلَامِ وَ حَقُّ الرَّحِمِ

''جس پڑوسی کے تین حق ہوتے ہیں وہ پڑوسی مسلمان بھی ہےاور رشتہ دار بھی ہے۔پس اس کا ایک حق پڑوسی کا حق ہے،دوسرا حق،اسلام کا حق ہےاور تیسرا حق،رشتہ داری کا حق ہے۔''

وَ اَمَّا الَّذِیْ لَهٗ حَقَّانِ:فَالْجَارُ الْمُسْلِمُ لَهٗ حَقُّ الْاِسْلَامِ وَ حَقُّ الْجِوَارِ

''اور جس بندے کے دوحق ہیں وہ مسلمان ہے۔اس کا ایک حق،اسلام کا حق ہےاور دوسرا حق پڑوسی کا حق ہے۔''

ایسے بندے سے خونی رشتہ تو نہیں ہوتا،مگر وہ کلمہ گو تو ہے۔

وَ اَمَّا الَّذِیْ لَهٗ حَقٌّ وَاحِد:فَالْجَارُ الْمُشْرِكُ

''اور وہ بندہ جس کا ایک حق ہے وہ مشرک (کافر) پڑوسی ہے۔''

یعنی اگر کافر آدمی بھی پڑوس میں آجائے اور رہنا شروع کر دے،یہ دینِ اسلام اتنا خوب صورت ہے کہ اس کا بھی ایک حق متعین کر دیتا ہے۔

(۳)......ایمان کا دائرہ:

جیران کے دائرے کے گرد ایک تیسرا دائرہ ''ایمان'' کا ہے۔جتنے بھی کلمہ گو ہیں وہ سب ایک رشتے میں منسلک ہیں۔نبی علیہ السلام پر ایمان لانے والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوا لْمُسْلِمِ

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔''

سیرتِ طیبہ سے اکرامِ مسلم کی چند مثالیں:

نبی علیہ السلام ایمان والے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔

◉......حیرت کی بات ہے کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اگر کوئی نبی علیہ السلام کو بلاتا تھا تو آپ ﷺ اس کے جواب میں لبیک ارشاد فرماتے تھے۔

◉......کوئی سائل آتا تو کبھی اس کو رد نہیں فرماتے تھے۔

◉......بوڑھوں کا لحاظ فرماتے تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اپنے والد محترم کو کلمہ پڑھانے کے لیے لے کر آئے تو نبی علیہ السلام نے دیکھ کر ارشاد فرمایا: کہ تم اپنے بوڑھے والد کو کیوں لائے، مجھے بتا دیتے، میں خود چل کر ان کے پاس چلا جاتا۔

◉......نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ میں جب رات کو سوتا ہوں تو میرے سینے میں کسی کے خلاف کوئی نفرت نہیں ہوتی، سینہ بے کینہ ہوتا ہے۔ یہ میری سنت ہے، اور جو میری سنت پر عمل کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ جائے گا۔

◉......اللہ کے حبیب ﷺ کے دل میں ایمان والوں کا اتنا درد تھا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس کے دل میں میری امت کا غم نہیں وہ میری امت میں سے نہیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
غریبوں کا ملجا یتیموں کا ماوا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

ایک عجیب بات:

ایک عجیب بات سنیے۔ اس پر محدثین نے باب باندھا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِاَهْلِهٖ

''نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو ایمان والا بندہ فوت ہوا اور اپنا مال چھوڑ کر جائے، تو یہ مال اس کے وارثوں کا ہوتا ہے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ...... سبحان اللہ! حیران ہوتے ہیں پڑھ کر...... کہ نبی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

''میں ایمان والوں سے ان کی جانوں سے زیادہ عزیز ہوں۔''

مِمَّنْ مَاتَ وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ وَ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيْنَا قَضَائُهٗ وَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ

'جو ان میں سے فوت ہوا اور اس کے ذمے قرضہ ہو، اور وہ اتنا پیسہ نہ چھوڑ کر جائے کہ قرض ادا ہو سکے۔ تو اس کا قرضہ ہمارے ذمے ہے۔ اور جو بندہ اپنا مال چھوڑ کر دنیا سے جائے، اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔''

نبی رحمت ﷺ کی رحمت بھری دعا:

نبی علیہ السلام نے ایک عجیب دعا فرمائی۔ آپ ﷺ بسا اوقات دوسرے بندے کو کوئی بات کبھی جمال سے سمجھاتے تھے اور کبھی جلال سے سمجھا دیتے تھے۔ جیسی طبیعت ہوتی تھی ویسی بات فرماتے تھے۔ مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کے لیے ایک عجیب دعا مانگی۔ وہ دعا کیا تھی؟

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: مَنْ اٰذَيْتُهٗ فَاجْعَلْهُ لَهٗ زَكٰوةً وَّ رَحْمَةً

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ:

''ابوھریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ فَاَیَّمَا مُؤْمِنٍ سَبَبْتُہٗ فَاجْعَلْ ذَالِکَ لَہٗ قُرْبَۃً اِلَیْکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

''اے اللہ! اگر میں نے کسی مومن کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اس ڈانٹ ڈپٹ کو قیامت کے دن اس کے لیے اپنے قرب کا ذریعہ بنادے۔''

اللہ اکبر!!!...... عقل حیران ہوتی ہے، اس محسنِ انسانیت ﷺ کی تعلیمات کو دیکھ کر...... فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر میں نے سمجھانے کے دوران کسی کے ساتھ کچھ سختی کر دی تو تو اس سختی کو بھی قیامت کے دن اس کے لیے رحمت اور اپنے قرب کا ذریعہ بنادے۔

(۴)...... انسانیت کا دائرہ:

ایمان کے دائرے کے گرد ایک وسیع دائرہ ہے۔ وہ ہے انسان ہونے کا دائرہ۔ لہٰذا انسان ہونے کے ناتے ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا

''اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بن کر رہو۔''

ہمیں چاہیے کہ ہم احترام انسانیت سیکھیں۔ یہ نبی علیہ السلام کی تعلیمات میں سے ہے۔

احترامِ انسانیت کی انمول مثالیں:

اور اب سنیئے کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے احترامِ انسانیت کی کیا مثالیں قائم کر دی تھیں۔

ایک یہودی کے جنازے کا احترام:

انسان زندہ لوگوں کا تو احترام کرتا ہی ہے، نبی علیہ السلام مردوں کا بھی احترام فرماتے تھے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِسِيَّةِ فَمَرُّوْا عَلَيْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا فَقِيْلَ لَهُمَا اِنَّهَا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اَىْ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَالَا اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ مُرَّتْ بِهٖ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِيْلَ اِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ اَلَيْسَتْ نَفْسًا

''(ایک مرتبہ) سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے قریب سے ایک جنازہ گزرا اور وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ان دونوں سے کہا گیا کہ یہ تو ایک کافر کا جنازہ ہے۔ ان دونوں نے کہا: ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے قریب سے جنازہ گزارا گیا آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ کہا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کیا یہ ایک انسان کی جان نہیں؟''

اللہ اکبر!!!...... ایک یہودی کا جنازہ دیکھ اور آپ ﷺ شرفِ انسانیت کا لحاظ کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ اگر اللہ کے حبیب ﷺ نے ایک یہودی کے جنازے کا اتنا احترام فرمایا تو کیا ہم ایک زندہ انسان کا احترام نہیں کر سکتے، اور پھر وہ کلمہ پڑھنے والا بھی ہو اور اللہ کا نیک بندہ بھی ہو۔

ایک یہودی عالم کے ساتھ حسنِ سلوک:

یہودیوں کا ایک عالم تھا۔ ان کا نام زید بن سعنہ تھا۔ ان کا قصہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

زَيْدُ بْنُ سَعْنَةَ الْحَبْرِ اَحَدُ اَحْبَارِ يَهُوْدُ وَ مِنْ اَكْثَرِهِمْ مَالاً اَسْلَمَ فَحَسُنَ اِسْلَامُهُ وَ شَهِدَ مَعَ النَّبِيِّ مَشَاهِدَ كَثِيْرَةً وَ تُوُفِّيَ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ مُقْبِلًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ

''زید بن سعنہ یہود کے علماء میں سے ایک عالم تھے اوران کے پاس مال بھی تھا۔ وہ اسلام لائے اوران کا اسلام بہت اچھا تھا۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ کئی غزوات میں حصہ بھی لیا۔ جب وہ تبوک سے مدینہ کی طرف آرہے تھے تو راستے میں ان کی وفات ہوگئی۔''

رَوٰى عَنْهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ اَنَّهُ قَالَ: لَمْ يَبْقَ مِنْ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ شَيْءٌ اِلَّا وَ قَدْ عَرَفْتُهُ فِي وَجْهِ مُحَمَّدٍ حِيْنَ نَظَرْتُ اِلَيْهِ اِلَّا اِثْنَتَيْنِ لَمْ اَخْبَرْهُمَا

''ان سے عبداللہ بن سلام نے یہ روایت کی کہ انہوں نے یہ کہا: جب میں نے نبی علیہ السلام کا چہرہ انور دیکھا تو میں نے آپ ﷺ میں نبوت کی تمام علامات دیکھ لیں، سوائے دو کہ جن کا مجھے پتہ نہ چل سکا۔''

وہ صفتیں کون سی تھیں؟ تورات میں لکھا ہوا تھا:

مِنْهُ: يَسْبِقُ حِلْمُهُ غَضَبَهُ وَ لَا يَزِيْدُهُ شِدَّةُ الْجَهْلِ عَلَيْهِ اِلَّا حِلْمًا

''آخری نبی ﷺ کا حلم ان کے غصے پر غالب ہوگا، اور اگر اس کے ساتھ کوئی جہالت کا برتاؤ کرے گا تو ان کا حلم اور زیادہ بڑھ جائے گا۔''

فرماتے ہیں: یہ دو علامات ایسی تھی جو مجھے ڈھونڈنی تھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فَكُنْتُ اَتَلَطَّفُ لَهُ لِاَنْ اُخَالِطَهُ وَ اَعْرِفَ حِلْمَهُ وَجَهْلَهُ

''اب میں پلاننگ کررہا تھا تاکہ مجھے کوئی موقع ملے اور میں ان کے ساتھ میل

جول کرسکوں کہ (معلوم ہو) ان کا حلم کتنا ہے۔''

قَالَ: فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا مِنَ الْاَيَّامِ مِنَ الْحُجُرَاتِ، وَ مَعَهُ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَاَتَاهُ رَجُلٌ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ كَالْبَدْوِيِّ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ قَرْيَةَ بَنِيْ فُلَانٍ قَدْ اَسْلَمُوْا فَاِنْ رَاَيْتَ اَنْ تُرْسِلَ اِلَيْهِمْ بِشَيْءٍ تُعِيْنُهُمْ بِهٖ فَعَلْتَ وَ قَدْ اَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ وَّ شِدَّةٌ فَلَمْ يَكُنْ مَّعَهُ شَيْءٌ قَالَ زَيْدٌ: فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَقُلْتُ يَا محمد! اِنْ رَاَيْتَ اَنْ تَبِيْعَنِيْ تَمْرًا مَعْلُوْمًا مِنْ حَائِطِ بَنِيْ فُلَانٍ اِلٰى اَجَلٍ كَذَا وَ كَذَا

''کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام ایک دن اپنے حجرات میں سے نکلے اور حضرت علی ؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک آدمی اپنی سواری پر آیا، جیسے دیہاتی ہوتا ہے وہ کہنے لگا۔ اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! فلاں قریہ کے لوگ ایمان لے آئے، اگر آپ ان کو کوئی مدد بھجوانا چاہیں تو آپ ان کو بھیج سکتے ہیں ان کو قحط آ گیا، اس وقت اللہ کے حبیب ﷺ کے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ زید کہتے ہیں: میں ذرا قریب ہوا اور کہا: اے محمد ﷺ! اگر آپ کہتے ہیں تو فلاں باغ کی اتنی کھجوریں آپ مجھے بیچ دیں۔''

مقصد یہ تھا کہ پیسے میں ابھی دے دیتا ہوں، آپ مجھے کھجوریں دے دینا

فَقَالَ: لَا يَا اَخَا يَهُوْدٍ وَ لٰكِنْ اَبِيْعُكَ تَمْرًا مَّعْلُوْمًا

''نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں کھجوروں کا اتنا وزن دوں گا، اس باغ کی کھجوروں کی شرط نہیں۔

یہ بیع سلم کہلاتی ہے۔

فقلت نعم فبايعني و اعطيته ثمانين دينارا فاعطاه الرجل قال

زید: فلما كان قبل محل الاجل بيومين او ثلاثة خرج رسول الله ﷺ في جنازة رجل من الانصار و معه ابوبكر و عمر و عثمان في نفر من اصحابه، فلما صلى على الجنازة اتيته، فاخذت بمجامع قميصه و ردائه و نظرت اليه بوجه غيظ ثم قلت الا تقضي يا محمد حقي فوالله ما علمتك يا بني عبدالمطلب لسيء القضاء مطلٌ قال فنظرت الى عمر و عيناه تدوران في وجهه ثم قال: اي عدوالله، اتقول لرسول الله ما اسمع! فوالذي بعثه بالحق لو لا ما احاذر فوته لضربت بسيفي رأسك و رسول الله ﷺ ينظر الى عمر في سكون و تبسم ثم قال: يا عمر، انا و هو الىٰ غيرِ هذا منك احوج ان تامره بحسن الاقتضاء و تامرني بحسن القضاء۔ اذهب يا عمر! فاقضه حقه و زده عشرين صاعا مكان ما روعته قال زيد: فذهب بي عمر فقضاني و زادني فاسلمت

میں نے کہا: چلو ٹھیک ہے۔ پس سودا ہو گیا اور میں نے آپ کو اسی دینار دے دیے۔ نبی علیہ السلام نے وہ اسی دینار اس بندے کو دے دیے۔ اور فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لیے لے جاؤ۔ زید کہتے ہیں: ابھی مقررہ دن سے دو تین دن باقی تھے۔ نبی علیہ السلام ایک انصاری صحابی کے جنازے کے لیے تشریف لائے، اور آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر ؓ، عمر ؓ اور عثمان ؓ بھی تھے۔ جب جنازہ پڑھ لیا تو میں آیا اور میں نے نبی علیہ السلام کے قمیص اور تہہ بند کے جوڑے پکڑ لیا اور میں نے بڑے غصے سے نبی علیہ السلام کو دیکھا۔

''پھر میں نے کہا: اے محمد ﷺ! کیا تم میرا حق نہیں دو گے؟ اللہ کی قسم! یہ

عبدالمطلب کی اولاد کے لوگ قرضے کی ادائیگی میں بہت برے ہیں۔''

یعنی ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔اس نے جان بوجھ کر غصہ دلانے والی بات کی۔

کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور ان کی آنکھیں میری طرف لگ گئیں۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ رہا ہے۔اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا، اگر مجھے اس حق کے فوت ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیرا سر اڑا کے رکھ دیتا۔''

اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو بڑے سکون سے ساتھ اور مسکراتے ہوئے دیکھا۔

پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے عمر! میں اور وہ تیرے ایسے رویے کہ محتاج نہیں۔یعنی تیرا رویہ اور ہونا چاہیے تھا۔

وہ یہ کہ تو اس سے کہتا کہ تو اچھی طرح سے اپنا قرضہ مانگ اور مجھے کہتا کہ جی آپ قرضے کی ادائیگی میں جلدی کریں۔

پھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! جاؤ اور اسے اس کی کھجوریں دے دو، اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دینا، اس لیے کہ تو نے اس کو دھمکی دی ہے۔''

''زید فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ گئے، انہوں نے مجھے کھجوریں دیں اور انہوں نے بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں، پھر میں نے اسلام قبول کرلیا۔''

اللہ اکبر کبیرا!...... اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کفار کے ساتھ معاملات کا یہ سبق فرمادیا۔

قحط زدہ کفار کے لیے خوش حالی کی دعا:

وہ کفار مکہ جنہوں نے نبی علیہ السلام کو اتنی ایذائیں پہنچائیں اور مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک کیا، ایک مرتبہ ان پر قحط آ گیا۔ وہ قحط اتنا شدید تھا کہ وہ لوگ چمڑا کھانے لگے۔ حتی کہ وہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ بھوک کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ اگر کوئی بندہ آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اسے دھواں نظر آتا تھا۔ عام دستور تو یہ ہے کہ دشمن کا یہ حال دیکھ کر انسان خوشیاں مناتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہوا یہ کہ

فاتاہ ابو سفیان، فقال: یا محمد انک تامر بطاعۃ اللہ و بصلۃ الرحم و ان قومک قد ھلکوا فادع اللہ لھم

ابوسفیان نبی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''اے محمد ﷺ! آپ اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور رشتہ داریوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ کی قوم ہلاک ہونے کے قریب ہو چکی ہے۔ آپ اللہ سے ان کے لیے دعا کر دیں۔''

حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

فَدَعَاھُمْ ''اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کے لیے دعا فرما دی۔''

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے مکہ والوں پر قحط ختم کر دیا۔

کفار مکہ کے لیے غلے کی ترسیل:

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ یمامہ میں رہتے تھے۔ ان کی طرف سے مکہ والوں کو گندم آیا کرتی تھی۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کو پتہ چلا کہ مکہ والے نبی علیہ السلام کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ آج کے بعد گندم کا ایک بھی دانہ ادھر سے مکہ والوں کو نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ مکہ والے مصیبت

میں پڑھ گئے۔ حدیث پاک میں ہے۔

فلما قدم مكة ثمامة بن اثال قال لا تأتيكم من اليمامة حبة حنظة حتى يأذن فيها النبى ﷺ زاد ابن هشام ثم خرج الى اليمامة فمنعهم ان يحملوا الى مكة شيئا

جب ثمامہ بن اثال ؓ مکہ میں آئے تو کہہ دیا کہ جب تک میرے محبوب ﷺ اجازت نہ دیں گے یمامہ سے گندم کا ایک بھی دانہ نہیں آئے گا۔"

پھر کیا ہوا؟

فكتبوا الى النبى ﷺ انك تأمر بصلة الرحم

مکہ والوں نے نبی علیہ السلام کے نام ایک رقعہ لکھا، آپ تو رشتہ داریوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ ہماری گندم بند ہوگئی ہے اور ہم بھوک کی وجہ سے مرنے لگے ہیں، آپ رحم فرمائیں۔

فاكتب الى ثمامة ان يخلي بين هم و بين الحمل اليهم

پھر نبی ﷺ نے ایک مکتوب لکھا کہ اے ثمامہ! ان کی گندم نہ روکو۔" چنانچہ اللہ کے حبیب ﷺ کے کہنے پر مکہ والوں کی گندم دوبارہ شروع ہوگئی۔ نبی علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا؟ Respect of Humanity. (احترامِ انسانیت) کی وجہ سے۔

حاتم طائی کی بیٹی سے حسنِ سلوک:

حاتم طائی کی بیٹی جب نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی گئی، اس وقت وہ کافرہ تھی، مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کیا۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

اصابت خيل رسول الله ﷺ ابنة حاتم ، فقدم بها على

رسول الله ﷺ فی سبایا طیء فجعلت ابنة حاتم فی حظیرة باب المسجد فمر بها رسول الله ﷺ فقامت الیه و کانت امراة جزلة، فقالت: یا رسول الله ﷺ! هلك الوالد و غاب الوافد، فامنن علی من الله علیك، قال من وافدك، قالت عدی بن حاتم قال الفار من الله و رسوله ثم مضی رسول الله ﷺ و ترکنی حتی مربی ثلاثا فاشار الی رجل من خلفه ان قومی فکلمیه، فقمت فقلت: یا رسول الله ﷺ! هلك الوالد و غاب الوافد، فامنن علی من الله علیك قال: قد فعلت، فلا تعجلی حتی تجدی ثقة یبلغك بلادك ثم اذنینی فسئالت عن الرجل الذی اشار الی فقیل علی ابن ابی طالب و قدم رکب من بلی فاتیت رسول الله ﷺ فقلت: قدم رهط من قومی قالت: فکسانی رسول الله ﷺ و حملنی، و اعطانی نفقه فخرجت حتی قدمت الشام علیٰ اخی عدی بن حاتم فقال لها عدی: ماترین فی امر هذا الرجل، قالت اری ان تلحق به

جب قبیلہ طے کے لوگ گرفتار ہوئے اور نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے گئے تو ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ مسجد کے دروازے کے سامنے ایک جگہ تھی وہاں حاتم طائی کی بیٹی کو الگ رکھا گیا۔ اللہ کے حبیب ﷺ اس کے قریب سے گزرے تو وہ کھڑی ہوگئی۔ وہ بڑی سمجھدار عورت تھی، وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور میرا محافظ بھائی بھی قریب نہیں ہے، میرے اوپر احسان کیجیے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ نبی علیہ السلام نے

پوچھا: تیرا محافظ کون ہے؟ کہنے لگی: (میرے بھائی) عدی بن حاتم۔

''نبی علیہ السلام نے کہا: اللہ اور اس کے رسول سے فرار ہونے والا۔

چونکہ عدی بن حاتم اس مقابلے سے پہلے ہی فرار ہو گیا تھا اس لیے اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کے لیے یہ فرمایا۔

وہ کہتی ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ چلے گئے اور مجھے چھوڑ دیا۔حتی کہ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ میں نے تین مرتبہ درخواست کی، مگر اللہ کے حبیب ﷺ خاموش ہو کر چلے جاتے تھے۔ پیچھے ایک بندہ تھا اس نے مجھے اشارہ کیا کہ کھڑی ہو اور پھر بات کر لے۔

میں پھر کھڑی ہوگئی اور (چوتھی مرتبہ) کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور میرا محافظ بھائی قریب نہیں ہے۔ میرے اوپر احسان کیجیے، اللہ آپ پر احسان کرے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''ہاں! میں نے تیرا کام کر دیا ہے، جلدی نہ کر، کوئی ایسا بندہ ڈھونڈ جو تجھے تیرے گھر حفاظت سے پہنچا دے۔''

یعنی اللہ کے نبی ﷺ اسی وجہ سے خاموش تھے کہ کوئی ایسا بندہ نہیں مل پا رہا تھا۔ کیونکہ وہ ایک عورت تھی اور اس کو بھیجنا بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔ اس کی جان، اس کے مال اور اس کی عزت کی حفاظت ضروری تھی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ جب تمہیں کوئی ایسا بندہ مل جائے تو پھر مجھے بتا دینا۔

پھر میں نے اشارہ کرنے والے آدمی کے بارے میں پوچھا: بتایا گیا کہ وہ علی بن ابی طالب ہیں۔

آخر سواروں کا ایک اور وفد بھی گرفتار ہو کر پیش ہوا۔

چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! میری قوم کے کچھ بااعتماد بندے آ گئے ہیں۔''

وہ کہنے لگیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے کپڑے بھی دیئے، مجھے سواری بھی دی اور جانے کا خرچ بھی دیا۔ پھر میں وہاں سے نکلی، حتی کہ میں شام میں اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچ گئی۔ تو عدی نے اس سے پوچھا کہ اس بندے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

''کہنے لگیں: میں چاہتی ہوں کہ تو بھی ان کے غلاموں میں شامل ہو جا۔''

چنانچہ عدی بن حاتم نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

کافر لڑکی کے سر پر نبی رحمت کی چادر:

جب قبیلہ طے کا قافلہ نبی علیہ السلام کے پاس آیا تو اس وقت ایک نوجوان لڑکی کا بچہ گم ہو گیا۔ وہ ماں تھی اور بھاگتی پھر رہی تھی کہ میرا بیٹا کہاں ہے۔ اس حالت میں اس کے سر سے چادر بھی اتر گئی۔

وہ اچانک نبی علیہ السلام کے سامنے آ گئی۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے اپنی چادر مبارک ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا کہ اس لڑکی کو دے دو تاکہ وہ سر ڈھانپ لے۔ وہ صحابی کہتے ہیں: اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ تو ایک کافر کی بیٹی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''اگرچہ کافر کی بیٹی ہے، مگر بیٹی تو ہے، آج اگر تو اس کے سر کو ڈھانپے گا تو کل اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تیرے عیبوں پر رحمت کی چادر عطا فرما دیں گے۔''

احترامِ انسانیت کا یہ درس اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ہمیں عطا فرمایا۔

ذمیوں سے حسن سلوک کا حکم:

یہ بھی فرمایا گیا:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمَنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ

''مومن وہ ہوتا ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہوں''

حتیٰ کہ کافر لوگ مسلمانوں کے معاشرے میں رہتے ہیں اور ان کو ذمی کہتے ہیں۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم فرمایا۔ حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دِمَائُهُمْ كَدِمَاءِ نَا وَ اَمْوَالُهُمْ كَاَمْوَالِنَا

''ان کا خون ہمارے خون کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہے۔''

اور اگر کوئی ایسے بندے کو بلاوجہ مارے تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَ اِنَّ رِيْحَهَا يُوْجَدُ مِنْ سِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا

''جو ایسے بندے کو قتل کر دے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے ہی آجاتی ہے۔''

ایک حدیث مبارکہ میں اللہ کے حبیب ﷺ نے ایک عجیب بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا:

اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوْ اِنْتَقَصَهُ اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

''خبردار! جو کسی ذمی پر ظلم کرے، یا اس کو نقصان پہنچائے، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے، یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لے، میں قیامت کے دن اس کافر کا وکیل بنوں گا (اس ایمان والے سے اس کا حق دلوا کر رہوں گا)''

اللہ اکبر کبیرا!......

حرفِ آخر:

احترام انسانیت کا جو درس نبی علیہ السلام نے عطا فرمایا، وہ انسانوں میں یقید
کسی اور نے نہیں دیا۔

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا لے کر آخری پیغام آئے
جھکانے آئے بندوں کی جبیں اللہ کے در پر
سکھانے آدمی کو آدمی کا احترام آئے
وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی
وہ آئے جب تو بندوں کو فرشتوں کے سلام آئے

اللہ رب العزت ہمیں بحیثیتِ انسانیت ایک دوسرے کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، بحیثیتِ مسلمان ایک دوسرے کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بحیثیت رشتہ دار ایک دوسرے کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾

علم اور تصوف

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامع مسجد مدینہ جھنگ بتاریخ: 8 نومبر 2000ء بعد نماز فجر

برموقع: سالانہ تربیتی نقشبندی اجتماع 2000

اقتباس

الحمدللہ! ہمارا راستہ اعتدال کا راستہ ہے۔ افراط وتفریط سے پاک ہے۔ آج دنیا میں کچھ ایسے صوفی لوگ بھی موجود ہیں جو ''العلم حجاب الاکبر'' کا نام لے کر لوگوں کو علما سے دور رکھتے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا۔ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو تصوف کو عجمی چیز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: یہ عرب کی نہیں عجم کی چیز ہے۔ اس کا تعلق یونان کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ احادیث میں جو احسان کا نام ہے وہ بھی کسی بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

علم اور تصوف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ ﴾
وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی مَقَامٍ اٰخَرَ
﴿ یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ○ ﴾ (الانفطار:٦)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

علمِ شرعی اور علم الاحسان:

علم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری صورت ہے جس سے احکام کی بجا آوری کا پتہ چلتا ہے اور ایک اس کی تاثیر ہے جس سے انسان کا باطن سنورتا ہے۔ پہلے علم کو علم شرعی کہتے ہیں اور دوسرے علم کو علم الاحسان کہتے ہیں۔

ہمارے سلف صالحین نے قرآن مجید سے استنباط کر کے کئی علوم نکالے اور ان کے مختلف نام رکھے۔ علمائے امت نے ان کو ''امام'' کہا۔ جیسے امام اعظم ابو حنیفہ ؒ، امام شافعی ؒ اور اسی طرح دوسرے حضرات ہیں۔ بالکل اسی طرح کچھ مشائخ عظام بھی ایسے تھے جنہوں نے قرآن وحدیث پر غور کر کے علم الاحسان کو یکجا کر دیا۔ ان کو بھی علمائے امت نے ''امام'' مانا۔ جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری ؒ

تصوف وسلوک کے لیے علم کی ضرورت:

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تصوف وسلوک کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ یَقْرَءِ الْقُرْاٰنَ وَلَمْ یَکْتُبِ الْحَدِیْثَ لَایُقْتَدٰی بِهٖ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ

''جو بندہ قرآن نہیں پڑھتا اور حدیث کا علم حاصل نہیں کرتا وہ اس قابل نہیں کہ دین کے معاملے میں اس کی اقتدا کی جائے۔''

چنانچہ ذکر وسلوک کے راستے میں علم کا ہونا ضروری ہے۔

حصولِ علم کے لیے مشائخ کی ترغیب:

طبقۂ اوّل کے مشائخ اپنے مریدین کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ مکتوبات میں لکھا ہے:

''سالک کو علم حاصل کیے بغیر اس راستے میں قدم نہیں رکھنا چاہیے، ورنہ کافر اور مجنون ہونے کا خطرہ ہے۔''

ابن جوزی جیسے ناقد محدث اور بزرگ اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں لکھتے ہیں:

وَمَا کَانَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ فِی التَّصَوُّفِ اِلَّا رُءُوْسٌ فِی الْقُرْاٰنِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِیْثِ

''جو تصوف کے متقدمین (بڑے حضرات) تھے، یہ وہی تھے جو علوم تفسیر، فقہ اور حدیث میں بھی اپنے وقت کے امام تھے۔

اسی لیے حسن بصری جہاں تصوف کے امام سمجھے جاتے ہیں، وہاں ان کی

احادیث آپ کو بخاری شریف میں بھی نظر آئیں گی۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ

جہالت، دشمنی کا سبب ہے:

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ اتنا علم رکھتے تھے تو پھر ان پر اتنے اعتراضات کیوں کیے گئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کا کلام چونکہ معارف پر مبنی ہوتا تھا، اشارات پر مبنی ہوتا تھا، اس لیے ہر بندے کے اندر اتنی استعداد نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس کو سمجھ سکے۔ اور اصول یہ ہے:

اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِّمَا جَهِلُوْا

''جب لوگوں کو کسی چیز کا علم نہیں ہوتا تو وہ اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔''

کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنہوں نے ان کے اقوال کو اپنے مطالب اور مفاہیم کا لباس پہنا دیا اور ان پر فتوے لگا دیے۔ یعنی بات ان کی اور مفہوم اپنا۔ اس کو کہتے ہیں: ''تَوْجِيْهُ الْقَوْلُ بِمَا لَا يَرْضٰى بِهِ الْقَائِلُ'' کہنے والے نے اس مقصد کے لیے بات نہیں کی، مگر الزام لگانے والے نے اپنے معانی پہنا کر اس کا ایک مطلب نکال لیا۔

اس کی ایک آسان سی مثال ہمارے اکابرین علمائے دیوبند ہیں۔ ان کی کتب کی تحریروں کو سیاق و سباق سے کاٹ کر ایسے معانی دے دیے گئے کہ ان پر گستاخ رسول کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ ہر دور اور ہر زمانے میں ایسا ہوتا ہے۔

صوفیا کے حالات پر مبنی علما کی کتابیں:

یہ بھی عجیب بات ہے کہ اللہ رب العزت نے ہر دور اور ہر زمانے میں ایسی

عبقری شخصیات کو پیدا فرما دیا جنہوں نے مشائخ صوفیاء کے قدسی نفوس کو لوگوں کے سامنے منقع بنا کر پیش کیا۔ چنانچہ محدثین اور بڑے بڑے علما نے بھی کتابیں لکھیں۔

⊙..... ابن جوزی نے خود ''صفوۃ الصفوہ'' کتاب لکھی، جس میں مشائخ صوفیاء کے احوال لکھے۔

⊙..... علامہ شمس الدین ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' ایک کتاب لکھی۔

⊙..... عبدالرحمٰن محدث دہلوی نے ''اخبار الاخیار'' کے نام سے کتاب لکھی۔

⊙..... علامہ عبدالوہاب شعرانی فقیہ بھی تھے اور صوفی بھی تھے۔ انہوں نے تصوف پر ''الطبقات الکبریٰ'' کتاب لکھی اور مشائخ کے حالات اکٹھے کیے۔ اور فقہ میں ان کی دو کتابیں ''کشف الغمہ'' اور ''میزان الکبریٰ'' اپنی مثال آپ ہیں۔

⊙..... امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے یہ اعزاز بخشا ہے کہ انہوں نے تصوف پر ہونے والے تمام اعتراضات کے شافی جواب دیے۔

⊙..... پھر جو کچھ رہی سہی کسر تھی اس کو حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی نے بالکل صاف کر دیا۔ چنانچہ ان کی تفسیر ''بیان القرآن'' کے حاشیے پر ''مسائلِ سلوک'' کے نام سے آپ کو معارف کا ایک خزانہ ملے گا۔ انہوں نے تصوف وسلوک کے راز اور باتوں کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا۔

کیا تصوف عجمی چیز ہے؟

الحمدللہ! ہمارا راستہ اعتدال کا راستہ ہے۔ افراط وتفریط سے پاک ہے۔ آج دنیا میں کچھ ایسے صوفی لوگ بھی موجود ہیں جو ''العلم حجاب الاکبر'' کا نام لے کر لوگوں کو علما سے دور رکھتے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا۔ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو تصوف کو عجمی چیز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: یہ عرب کی نہیں

عجم کی چیز ہے۔اس کا تعلق یونان کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ احادیث میں جو احسان کا نام ہے وہ بھی کسی بات کی طرف اشارہ کررہا ہے۔وہ بے حضور نمازیں پڑھتے ہیں مگر ان کو یہ توفیق نہیں ملتی کہ کسی کی خدمت میں آ کر نماز کو سیکھنے کی کوشش کریں۔ہمارے اکابرین علمائے دیوبند نے اعتدال کا راستہ اپنایا ؎

در کفِ جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق
ہر ہوس ناکے با خدا

یہ ہر بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی۔چنانچہ اجتماع کے بقیہ بیانات میں

......نماز کیسے بنائی جائے؟

......تشکیلِ کردار۔

......قرآن مجید کی تلاوت کیسے ہونی چاہیے

جیسے اہم موضوعات پر بھی بات کی جائے گی۔

میر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ دے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

دو آیات میں حیران کن تطبیق:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴾ (الانفطار:۶)

''اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا؟''

اس آیت کے معانی پر غور کیجیے...... جب لاڈلا بچہ روٹھ جائے تو ماں اسے ناز و انداز اور پیار کے ساتھ مناتی ہے کہ تو کیوں روٹھ گیا ہے۔اللہ رب العزت کی رحمتوں

پر قربان جائیں کہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے انسانوں کو متوجہ فرماتے ہیں یہ کتنا پیار بھرا انداز ہے!!

﴿ يَاَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴾ (الانفطار:٦)

یہاں پر اللہ رب العزت نے ''یا'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ یہ حرفِ ندا کہلاتا ہے۔ جب کوئی دور ہو تو اس لفظ سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ بندہ دور ہے۔ لیکن قرآن پاک کی ایک دوسری آیت ہے:

﴿ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ (ق:١٦)

''ہم تو اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

اب اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ پروردگار تو رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے اور حرف ندا ''یا'' سے پتہ چلتا ہے کہ دور ہے۔ علما نے ان میں تطبیق دی کہ انسان علم کے لحاظ سے اللہ کے قریب ہے اور صفات کے لحاظ سے اللہ سے بعید ہے۔

لفظ ''انسان'' کے معارف:

انسان کا لفظ بھی عجیب ہے۔ علما نے اسکے تین معانی لکھے ہیں:۔

(۱)......انسان کا لفظ ''اُنس'' سے نکلا ہے۔ اُنس کہتے ہیں محبت کو۔

(۲)......انسان کا لفظ ''نسیان'' سے نکلا ہے۔ نسیان کہتے ہیں بھولنے کو۔

(۳)......انسان کا لفظ ''آنس'' سے نکلا ہے......

﴿ فَلَمَّا اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ﴾ (القصص:٢٩)

آنس کا مطلب اَبْصَرَ یٰ/اَبْصَرَ ''دیکھنا''

گویا انسان کے تین معانی بنے:۔

(۱)......محبت کرنے والا

(۲)......بھولنے والا

(۳)......دیکھنے والا

ہمارے مشائخ نے فرمایا تینوں معانی انسان پر صادق آتے ہیں کہ یہ انسان اللہ رب العزت سے محبت کرتا ہے تو اللہ رب العزت اس پر اپنے انوار و تجلیات کی بارش کر دیتے ہیں اور جب یہ اس کے انوار و تجلیات کو دیکھتا ہے تو پھر پوری دنیا کو بھول جاتا ہے۔

لفظِ ''رب'' کا اطلاق:

آگے فرمایا:

غَرَّكَ ''تجھے دھوکے میں ڈال دیا''

بِرَبِّكَ ''تیرے رب سے''

رَبّ کہتے ہیں اس ذات کو جو کسی کی پرورش کرے۔ یہ لفظ ماں باپ کے لیے بھی بولتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا ﴾ (بنی اسرائیل:۲۴)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی کہا تھا:

﴿ وَاذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ (الیوسف:۴۲)

یعنی ''رب'' کا لفظ مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور خالق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر اس کے استعمال میں فرق ہے۔

اللہ رب العزت کی ربوبیت زمان و مکان کی قید سے بلند و بالا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت کے لیے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہا گیا۔ مزید فرمایا:

﴿ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (الصفت:۱۲۶)

''جو تمہارا بھی رب ہے اور تم سے پہلے جو تمہارے آباء گزرے ہیں ان کا بھی رب ہے۔''

تو وہاں زمان و مکان کی قید کا کوئی دخل نہیں۔ البتہ ماں باپ جو مربی ہوتے ہیں وہ محدود وقت کے لیے ہوتے ہیں۔ اور خاص افراد کے لیے ہوتے ہیں۔

پالنے والا کون ہے؟

''رب'' کا مطلب ہے ''پالنہار'' (پالنے والا) ضروریات کو پورا کرنے والا۔ آج کا ایک بڑا دھوکہ یہ ہے کہ انسان نے اسباب کو اپنا رب سمجھ لیا ہے۔

......کسی نے اپنی دکان کو

......کسی نے دفتر کو

......کسی نے تعلیم کو

......کسی نے کاروبار کو

اسی لیے شریعت کے احکام توڑ دیتے ہیں مگر ان چیزوں پر آنچ نہیں آنے دیتے۔ کاروبار کی وجہ سے سود پر کام کرنا پڑے تو کرلیں گے۔ جب شریعت کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے لگ گئے تو گویا اس چیز کو انہوں نے اپنا رب سمجھ لیا۔ یہ بھی صنم پرستی ہے۔ بت فقط پتھر کے نہیں ہوتے، خیال کے بھی ہوتے ہیں۔ ع

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں یا پتھر کے

ان پر ضرب ابراہیمی لگانی پڑتی ہے۔

یہ قوم اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

اگر اللہ رب العزت کی ذات سے نگاہیں ہٹ کر مخلوق پر آجائیں تو گویا انسان اپنے راستے سے بھٹک گیا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

دنیا و آخرت کی سعادتیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے انعام یافتہ بندوں کا تذکرہ فرمایا:

﴿ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (النساء:٦٩)

یہ چار قسم کے لوگ میرے انعام یافتہ بندے ہیں۔انبیا،صدیقین،شہداء اور صالحین۔

ان میں سے پہلے دو کا زیادہ تعلق علم کے ساتھ ہے۔نبی علیہ السلام وحی لے کر آئے اور صدیق نے ان کی تصدیق کی۔گویا انبیا اور صدیقین میں علم کی نسبت غالب ہے۔ شہدا اور صالحین میں عمل کی نسبت غالب ہے۔

اسی آیت سے معلوم ہوا کہ کائنات کی سعادتیں اللہ رب العزت نے علم اور عمل کے اندر رکھی ہوئی ہیں۔اگر ہم بھی اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی علم اور عمل کے راستے پر چلنا ہوگا۔

عدیم العلم،قلیل العلم اور علیل العلم:

انسان کے علم کا حال بھی عجیب ہے۔جب دنیا میں پیدا ہوا تو بچہ تھا۔علم نہیں تھا......قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴾ (النجم:٣٢)

''جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں جنین تھے تو تمہارے پاس علم نہیں تھا۔''

یعنی ابتدا میں انسان ''عدیم العلم'' تھا۔اس کے پاس علم نہیں تھا۔

پھر دنیا میں آیا اور کتابیں پڑھیں۔ جو کچھ بھی پڑھا وہ محدود ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵)

گویا جوانی میں "قلیل العلم" بنے۔

اور جب بڑھاپا آیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ایک ایسی عمر کو پہنچ گئے کہ

﴿ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ﴾ (النحل:۷۰)

اس کو کہتے ہیں "علیل العلم" یعنی جو علم تھا وہ بھی رخصت ہو گیا۔ بھول گیا۔

جب انسان ابتدا میں عدیم العلم، درمیان میں قلیل العلم اور آخر میں علیل العلم ہو تو پھر یہ اپنے علم پر کیا ناز کرے۔

علمِ لدنی کے اہل کون؟

یہ طے شدہ بات ہے کہ اللہ رب العزت کسی جاہل انسان کو ولایت خاصہ عطا نہیں فرماتے۔ البتہ اگر انسان کے پاس علمِ ظاہری نہیں بھی ہوگا اور وہ انسان اپنے دل پر محنت کرے گا تو اللہ رب العزت اس کو علمِ لدنی عطا فرما دیں گے اور اس کا شمار علما میں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ (الکهف:۶۵)

حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ اور علم لدنی:

حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ بالکل ان پڑھ تھے۔ ان کے سامنے جب قرآن مجید کی آیت تلاوت کی جاتی تھی تو وہ پہچان لیتے تھے اور جب حدیث پاک بیان کی جاتی تھی تب

بھی پہچان لیتے تھے۔ حتی کہ کسی کا قول بیان کیا جاتا تھا تو وہ بھی پہچان لیتے تھے۔ لوگ حیران ہوکر کہتے کہ جی آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے۔ وہ فرماتے تھے:

☆...... جب قرآن کی آیت پڑھی جاتی ہے تو ایک ایسا نور ظاہر ہوتا ہے کہ جس سے میں پہچان لیتا ہوں کہ یہ میرے مولا کا کلام ہے۔

☆...... جب حدیث پاک پڑھی جاتی ہے تو ایک اور قسم کا نور ہوتا ہے۔

☆...... جب دوسری مخلوق کی باتیں ہوتی ہیں تو ان کے اندر نور ہی نہیں ہوتا۔

تو میں اس نور کو دیکھ کر پہچان لیتا ہوں کہ یہ اللہ کا کلام ہے یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو علمِ لدنی حاصل تھا۔

مسجد نبوی کی ابتدائی حالت:

آپ حضرات اجتماع کے یہ تین دن بڑے ذوق اور شوق کے ساتھ گزاریے۔ آپ کو ابھی مجاہدہ کرنا پڑے گا۔ اس سے نہ گھبرایئے کہ جگہ تنگ ہے۔ ہمارے دلوں میں جگہ بہت زیادہ ہے۔ مسجد نبوی بھی شروع میں اتنی چھوٹی سی تھی کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"مجھے ایک ایسا چھپر بنادو جیسے موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔"

بارش کے وقت میں نیچے پانی آتا تھا۔ لوگ سجدے کرتے تو ان کی پیشانیوں پر کیچڑ لگ جاتا تھا۔

علما کو آگے جگہ دینے میں عوام کا فائدہ:

اگلی صفوں میں جو علما اور صلحا کو جگہ دی جاتی ہے اس میں بھی حکمت ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ یہود کے بڑے علما میں سے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور صحابی رسول بن گئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ دو انبیا پر ایمان لانے کی وجہ

سے بہت بڑا درجہ عطا فرمائیں گے۔

وہب بن منبہ ان کے شاگرد تھے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کی کوشش ہوتی تھی کہ دوسرے لوگوں کو آگے جگہ ملے اور میں پیچھے کھڑا ہو کر نماز پڑھوں۔ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ پہلی صف میں نماز پڑھنے کے اتنے فضائل ہیں کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت کا پتہ چل جائے تو لوگ ایک دوسرے سے مقابلہ شروع کر دیں، الجھنا شروع کر دیں، اور ان کو جب اگلی صفوں میں کھڑے ہونے کا موقع ملتا بھی ہے تو وہ دوسروں کو آگے کر دیتے ہیں اور خود پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ان سے پوچھ لیا کہ جی آپ کا یہ عمل کس بنیاد پر ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں تورات کا عالم ہوں۔ اس میں اس امت کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ تھی کہ اس امت میں بعض ایسے اللہ والے ہوں گے کہ جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے تو ان کے پیچھے جتنے لوگ سجدہ کریں گے اللہ تعالیٰ ان سب کے گناہوں کی مغفرت فرما دیں گے۔

اس لیے جب علما اور صلحا کو آگے جگہ دی جاتی ہے تو اس میں آپ ہی کا فائدہ ملحوظ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کا سجدہ ہماری مغفرت کا سبب بن جائے۔

دل چاہتا ہے ایسی جگہ میں رہوں جہاں
جیتا ہو کوئی درد بھرا دل لیے ہوئے

یہ حضرات دور دور سے درد بھرا دل لے کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے۔

فضائل اور مسائل کا علم:

علم دو طرح کا ہے۔ ایک فضائل کا اور ایک مسائل کا۔ فضائل کے علم سے انسان

عمال پر آتا ہے اور مسائل کے علم سے انسان اعمال کو بناتا ہے۔

عیش الدنیا والاخرۃ کے مصداق کون؟

علم، عمل اور عبدیت، یہ تینوں الفاظ ''ع'' سے شروع ہوتے ہیں۔ اور عیش کا لفظ بھی ''ع'' سے شروع ہوتا ہے، جیسے:

اَللّٰھُمَّ لَاعَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ

معلوم یہ ہوا کہ جس نے علم پر عمل کیا اور اسے مقامِ عبدیت نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو ''عیش الدنیا والاخرۃ'' عطا فرمائیں گے۔

روایت حدیث میں سماع کی ضرورت:

علم کا زیادہ تعلق ''سماع'' کے ساتھ ہے۔ سننا اسی لیے محدثین تسلسلِ روایت اسے ہی سمجھتے ہیں کہ اپنے استاد سے باقاعدہ اس نے سنا ہو۔ فرض کریں استاد کے پاس ایک کتاب لکھی ہوئی تھی۔ اس نے خود شاگرد کو دی کہ یہ احادیث کا مجموعہ ہے اور آپ کو میری طرف سے حدیث کی اجازت ہے، لے لیجیے۔ اب اگر یہ بندہ حدیث کی روایت کرے گا تو اسے تسلسل نہیں کہیں گے۔ اس لیے کہ محدثین کے نزدیک روایتِ حدیث کے لیے سماع ضروری ہے۔

پیغمبر بہرے کیوں نہیں تھے؟

یہ بھی عجیب بات ہے کہ دنیا میں کوئی بھی پیغمبر علیہ السلام بہرے نہیں گزرے۔ نابینا تو تھے، بہرے نہیں تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے:

﴿ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ ﴾ (الیوسف:۸۴)

آپ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں اتنا روئے کہ بینائی چلی گئی۔ اسی طرح شعیب علیہ السلام کی بینائی بھی چلی گئی تھی۔

تو انبیائے کرام میں سے نابینا تو تھے مگر کوئی بھی بہرے نہیں تھے۔ اس لیے کہ علم کا تعلق ہی سماع کے ساتھ ہے۔

نورِ ہدایت کے حصول کے لیے سننے کی اہمیت:

شریعت نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ہدایت کی باتوں کو توجہ کے ساتھ بیٹھ کر سنیں۔ عمل کے جذبے کے ساتھ بیٹھ کر سنیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ اَرَادَ اللّٰهُ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ﴾ (الانفعال:۲۳)

''اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتا''

اس لیے ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴾ (الروم:۲۳)

اسی لیے جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس وقت کے لیے فرمایا:

﴿ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا ﴾ (الانفعال:۲۳)

''پس سنو اور خاموش رہو۔''

فرمایا:

﴿ اِسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا ﴾

''سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

''اچھا سننا'' بھی ایک خوبی ہے۔ ورنہ تو آدمی ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ﴾ (ق:۳۷)

''اس قرآن میں نصیحت ہے ان کے لیے جن کے اندر دل ہو۔''

اور جن کے اندر رسل ہو؟

پہلی خوبی یہ ہے کہ دل متوجہ ہو اور دوسری خوبی کیا ہے؟

﴿ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ ﴾

''ہمہ تن گوش ہو''

اور تیسری خوبی......

﴿ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴾ (ق:۳۷)

''اور وہ حاضر باش ہو''

تو جب آپ اس طرح بات سنیں گے کہ دل حاضر ہو، ہمہ تن گوش ہوں اور حاضر باش ہوں گے تو اللہ رب العزت کی طرف سے آپ کو ہدایت کا نور ملے گا۔

اس کا نام ولایت ہے:

جو کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ بھی ہدایت کے راستے پر ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد اس ہدایت میں ترقی کا راستہ بھی کھلا ہوا ہے۔ ان مجالس میں آنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس ہدایت کے نور میں اور بھی اضافہ ہو جائے...... قرآن عظیم الشان...... اصحاب کہف کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ (الکہف:۱۳)

اس کا نام ولایت ہوتا ہے۔

اسلام کے ارکان یا......

اگر بے توجہی سے بات سنیں گے تو فائدہ نہیں ہوگا۔ جیسے ایک بچے کو استاد نے پڑھایا کہ اسلام کے پانچ ارکان ہوتے ہیں۔ جب گھر پہنچا تو باپ نے پوچھا: بیٹا! آج کا سبق کیا تھا؟ کہنے لگا: استاد نے یہ پڑھایا ہے کہ اسلام کے

پانچ ''کان'' ہوتے ہیں۔

وہ بھی ذہبی یہ بھی ذہبی:

علامہ شمس الدین ذہبی جو کچھ سنتے تھے ان کو وہ اسی وقت یاد ہو جاتا تھا۔ میں بھی اپنے بعض طالب علموں کو کہتا ہوں آپ بھی علامہ ذہبی ہیں۔ مگر یہ ذہبی ''ذَھَبَ'' سے ہے۔ جو سنتے ہیں، ذھب۔ وہ رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے ''علامہ ذہبی'' ہیں۔

ایک عجیب دعا:

حضرت مفتی محمود زیارتِ حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے۔ طواف کیا اور مقامِ ابراہیم پر نفل پڑھ کر ایک عجیب دعا مانگی۔ دعا مانگتے ہوئے کہنے لگے: ''اے اللہ! ساری دنیا مجھے مفتی کہتی ہے، اب تو آپ مجھے مفت میں بخش دیجیے۔''

مفتی کا لفظ تو فتویٰ سے ہے، لیکن چونکہ ایک ذومعنی لفظ تھا اس لیے انہوں نے اس کا اردو زبان میں نکتہ نکال لیا۔

سالک کی پہچان:

سننے کی استعداد کا اچھا ہونا، یہ سالک کی پہچان ہوتی ہے۔ دیکھیں! ابوجہل نے نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے معراج کا واقعہ سنا اور قبول نہ کر سکا، جبکہ صدیق اکبر ﷛ نے یہی واقعہ کافر کی زبان سے سنا اور اس کو قبول کر لیا۔

طالب علم کے لیے جنت کے راستے میں آسانی کیسے؟

حدیث پاک میں ہے:

مَنْ كَانَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَ الْجَنَّةُ فِي طَلَبِهٖ

''جو انسان علم کی طلب میں ہوتا ہے، جنت اس کی طلب میں ہوتی ہے۔''

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا:

”جو اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لیے نکلا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان کر دیا کرتے ہیں۔“

آسان کرنے کا کیا مطلب؟..... آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو سکولوں کے طلبا ہوتے ہیں، ان کے کارڈ بنے ہوتے ہیں اور جب یہ بسوں پر سفر کرتے ہیں تو ان کو Concetion (رعایت) ملتی ہے۔ اس طرح ان کو صرف آدھا کرایہ دینا پڑتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں سفر میں سہولت کا ہونا۔

اسی طرح جو علم حاصل کرنے والے طلبا ہیں، قیامت کے دن ان کو بھی جنت میں جانے کے لیے کنسیشن (رعایت) مل جائے گی۔ اس لیے انسان پوری زندگی ہی علم حاصل کرے۔

انسانی جسم میں علما اور مزدوروں کی بستی:

علم اور عمل میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مواعظ میں ایک عجیب بات ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان کے جسم میں یہ جو اوپر کا حصہ ہے یہ علما کی بستی ہے۔ اس میں آنکھیں، کان، دماغ اور زبان شامل ہیں۔ اس لیے کہ یہ اعضائے علم ہیں اور انہی اعضا سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نیچے کا دھڑ مزدوروں کی بستی ہے۔ اس میں ہاتھ، پاؤں، پھیپھڑے اور گردے شامل ہیں۔ یہ اعضا عمال (مزدوروں) والے اعمال کرتے ہیں۔ اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ نے دل کو بنایا۔ ان دونوں قسم کے اعضا کا یہ دل حاکم ہوتا ہے۔ گویا سیکریٹریٹ کو درمیان میں بنا دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب کسی چیز کو ذبح کیا جاتا ہے تو گلے پر چھری پھیرتے ہیں۔ گلے پر چھری پھیرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے علم اور عمل کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جس بندے کے علم اور عمل کا رشتہ ختم ہو جائے وہ زندہ نہیں، بلکہ مردہ انسان ہوتا ہے۔ زندہ انسان

وہی شمار ہوگا جس کے علم اور عمل کے درمیان جوڑ ہوگا۔

لطف روحانی میں رکاوٹ:

اللہ تعالیٰ نزول قرآن کا مقصد خود ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ (ق:۴۵)

''پس آپ ان کو وصیت کیجیے قرآن کے ذریعے سے تاکہ یہ اللہ کے وعدے سے ڈر جائیں۔''

تو قرآن مجید کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کے دلوں میں اللہ کی خشیت پیدا کر دی جائے تاکہ بندے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کو سمجھیں اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں۔ اس مقصد کے لیے انسان کو اپنی خواہشات پر چھری پھیرنی پڑتی ہے۔ سالک کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ حظِ نفسانی اور خواہشات نفسانی ہیں۔

نہ جب تک صدقِ دل سے ترک کر دیں حظِ نفسانی
کبھی بھی آپ کو حاصل نہ ہوگا لطفِ روحانی

لطفِ روحانی حاصل کرنے کے لیے حظِ نفسانی کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

مان کر چلنا سیکھیں:

یہاں تین دنوں کی مختلف مجالس میں آپ نے جو کچھ سننا ہے، وہ اس نیت سے سننا ہے کہ ہم نے اس پر عمل کرنا ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ آپ کے تشریف لانے پر شیطان نے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ آپ اس کو گھر چھوڑ کر نہیں آئے۔ وہ آپ کے ساتھ آیا ہے۔ وہ یہاں بھی کوشش کرے گا کہ آپ کو مقصود حاصل کرنے سے روکے رکھے۔ جب سونے کا وقت ہوگا اس وقت باتوں کا چسکا ڈالے گا کہ جاگو رات کو،

گپیں لگاؤ، حالات حاضرہ پر تبصرے کرو۔ اور جب بیان سننے کا وقت ہوگا اس وقت مراقبہ کرنے کی ترغیب دے گا تاکہ سو جائیں۔ ایک کاغذ پر لکھا ہوا نظام الاوقات آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ آپ اس کو پڑھ کر اس کے مطابق وقت کی پابندی کیجیے۔

......سونے کے وقت میں آرام کیجیے

......کھانے کے وقت کھانے کے لیے جائیے

......عبادات کے وقت عبادات کیجیے

آپ نے یہاں ''مان کر چلنا'' ہی تو سیکھنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں آنے کے بعد شیطان ہمیں ان مجالس کے فیوض و برکات سے محروم کر دے۔

وقوفِ قلبی کے ساتھ رہیے:

اپنا وقت وقوفِ قلبی کے ساتھ گزاریے۔ وقوفِ قلبی اسے کہتے ہیں کہ اپنی توجہ دل کی طرف اور دل کی توجہ اللہ کی طرف رکھیں۔

مشغول ہو کر کلمۂ طیب کے ذکر میں
دل پہ لگا جو زنگ ہے اس کو چھڑائیے
مشغول اسمِ ذات میں ہوں آپ اس طرح
اس کے سوا ہر ایک کو بس بھول جائیے

ان تین دنوں میں اس کی مشق کریں کہ ہم اللہ رب العزت کے سوا ہر ایک کو بھول جائیں۔ ایک اللہ رب العزت کی یاد دل میں ہو اور بس۔

کثرتِ ذکر نرمی کا باعث ہے:

ذکر کی کثرت کی وجہ سے آپ کی ذات میں نرمی آئے گی۔ یہ ذکر کی خوبی

ہے۔ جیسے سخت زمین کو بارش کا پانی نرم کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب انسان ذکر کرتا ہے تو انوارات کی بارش انسان کی طبیعت کے اندر نرمی پیدا کر دیتی ہے۔ اور نرم طبیعت کی وجہ سے انسان اچھے اخلاق کا حامل بن جاتا ہے۔

ہڈیوں کے اوپر گوشت کیوں؟

دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے ہڈیوں کے اندر سختی رکھی اور اس کے اوپر گوشت اور کھال رکھی۔ یعنی سختی کو نرمی کے اندر چھپا دیا۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کو بھی اپنی رحمت کے اندر چھپایا ہوا ہے۔

قرآن مجید کا مرکزی پیغام:

اگر قرآن مجید کے الفاظ گنیں تو جو لفظ بالکل درمیان میں آتا ہے، وہ لفظ ہے ...... وَلْيَتَلَطَّفْ (نرم گفتگو کرنا)...... گویا پورے قرآن کا جو مرکزی پیغام ہے وہ نرمی کا پیغام ہے۔

فرعون کے ساتھ نرم گفتگو کرنے کا حکم:

اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیج رہے ہیں۔ فرعون بھی کون؟ جو خدائی کا دعویٰ کرنے والا ہے۔ وہ اتنا بڑا سرکش ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ (طٰہٰ:۴۴)

"آپ دونوں اس کے پاس جا کر نرم بات کیجیے۔"

اگر ہم بھی اپنے طلبا اور اپنے دوستوں سے ذرا سختی سے بات کریں تو یاد رکھیں کہ نہ تو ہماری شان موسیٰ علیہ السلام سے بڑی ہے اور نہ ہی سامنے والا فرعون سے برا ہے۔ اللہ

تعالیٰ نرمی پر وہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں جو سختی پر نازل نہیں فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر دوست آکر شکوہ کرتے ہیں کہ ہم تو ذکر اذکار کرتے ہیں مگر

......بچے نہیں مانتے

......بیوی نہیں مانتی

......گھر کا ماحول اچھا نہیں

اگر آپ غور کریں تو اس کے پیچھے آپ کی سختی ہوگی اور آپ کے اخلاق میں کمی ہوگی۔ ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے

......انسان میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے

......پھر اس کے اخلاق اچھے ہو جاتے ہیں

......پھر اچھے اخلاق سے انسان دوسروں کے دل میں جگہ بنا لیتا ہے

......پھر لوگ دین کے قریب ہو جاتے ہیں

جماعت کا انتظار:

ان تین دنوں میں آپ نے نمازوں کے وقت سے پہلے آکر جماعت کے انتظار میں بیٹھنا ہے۔ یہ سنت بھی آج ختم ہوتی جا رہی ہے۔ آج تو حالت یہ بن گئی ہے کہ اگر پانچ منٹ بھی رہتے ہوں تو مسجد کے باہر آکر آپس میں باتیں کرتے رہیں گے۔ کوئی کہے بھی سہی کہ نماز ہونے والی ہے تو کہتے ہیں: جی! ابھی پانچ منٹ باقی ہیں۔ کتنا اچھا ہوتا کہ مسجد میں آجاتے اور جماعت کے انتظار کا بھی ثواب نصیب ہو جاتا۔

یہ وقت ہمارے پاس امانت ہے:

آپ ان دنوں میں ہمہ تن اللہ رب العزت کی طرف متوجہ رہیں۔ جیسے کسی کو کوئی غم یا فکر لگی ہوتی ہے ایسے ہی بندے کو مغموم نظر آنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ وقت ہم اللہ

کی نسبت سے فارغ کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہ وقت ہمارے پاس امانت ہے۔ چنانچہ اگر
وقت کو ہم اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان، توجہ اور حضوری کے ساتھ گزاریں گے تو جاتے
ہوئے آپ کا دل گواہی دے گا کہ آپ کو ان تین دنوں میں فائدہ نصیب ہوا ہے۔

رابطہء قلبی اور اس کے فوائد:

ہر وقت دل میں اللہ کی طرف دھیان رکھیے۔ حتیٰ کہ بیان سننے کے دوران بھی
اللہ کی طرف دھیان رکھیے۔ البتہ جب شیخ کے سامنے ہوں رابطہ قلبی اور جب شیخ سے
دور ہوں تو وقوف قلبی کا خیال رکھیں۔ رابطہء قلبی اسے کہتے ہیں کہ اپنے دل کو خالی
سمجھیں اور یہ جانیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نبی علیہ السلام کے قلب مبارک سے اور
مشائخ کے قلوب سے ہوتی ہوئی میرے شیخ کے قلب میں آ رہی ہے اور وہاں سے یہ
میرے دل میں پہنچ رہی ہے۔ یہ آپس میں روحانی رشتے ہوتے ہیں۔ جس طرح
سورج کتنی دور ہے مگر اس کی کرنیں پوری دنیا پر پڑ رہی ہوتی ہیں۔

......کہیں سبزی کا قد بڑھ رہا ہے
......کہیں پھول کا رنگ خوش نما ہو رہا ہے
......کہیں پھل کا ذائقہ بہتر ہو رہا ہے

ہر ایک اپنے نصیب کا حصہ پا رہا ہے۔ اسی طرح شیخ کی توجہ بھی سب پر پڑ رہی
ہوتی ہے، مگر ہر سالک اپنی طلب کے بقدر اس میں سے حصہ پا رہا ہوتا ہے۔

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے سبھی پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

جتنی طلب لے کر بیٹھیں گے اللہ تعالیٰ اس پر اتنی ہی نعمت عطا فرمائیں
گے۔ چنانچہ اس پورے وقت میں آپ اپنے دل کی توجہ اللہ رب العزت کی طرف
رکھیے۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے
تم سا کوئی ہم دم کوئی دم ساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

وقوفِ قلبی کے لیے دو معاون چیزیں:

ہمارے مشائخ فرمایا کرتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً یہ الفاظ زبان سے اونچے بھی کہہ دینے چاہییں۔ اس کو انہوں نے بازگشت کہا کیونکہ یہ چیز بندے کو اللہ کی طرف موڑنے میں بڑی آسانی پیدا کر دیتی ہے۔ فارسی کے چند الفاظ ہیں یاد کر لیجیے۔

''خداوندا! مقصود من توئی و رضائے تو، مرا محبت و معرفت، ذوق شوق خود بدہ''

''یا الٰہی! تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری ہی رضا کا طالب ہوں، مجھے اپنی محبت و معرفت اور ذوق شوق عنایت فرما۔''

اس کو بازگشت کہتے ہیں کہ اگر سالک کچھ کچھ دیر کے بعد ان الفاظ کو پڑھتا رہے گا تو اس کو اس سے وقوفِ قلبی کے لیے آسانی ہو گی۔ اور دوسرا مسنون دعاؤں کے پڑھنے سے بھی وقوفِ قلبی میں آسانی رہے گی۔ اس لیے آپ یہ دو کام اہتمام سے کیجیے۔

اللہ کی تلاش میں سفر کرنے والے:

محترم جماعت! دنیا میں کچھ لوگ کاروبار کے لیے سفر کرتے ہیں، کچھ رشتہ داری کے لیے سفر کرتے ہیں، کچھ خوب صورت مناظر کو دیکھنے کے لیے سفر کرتے ہیں، لیکن آپ نے یہ سفر اللہ کے لیے کیا۔ اللہ کے ہاں اس نسبت کی بڑی لاج ہے۔ ہمارے مشائخ بہت سفر کر کے جاتے تھے۔

☆......حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے پاس تین سو میل کا سفر پیدل طے کر کے جایا کرتے تھے۔ایک مہینہ جاتے ہوئے لگتا اور ایک مہینہ آتے ہوئے لگتا اور شیخ کے پاس ٹھہرنے کا علیحدہ وقت ہوتا تھا۔

☆......ایک ایسے بھی بزرگ تھے جنہوں نے پوری دنیا کا چکر لگایا۔حتی کہ ان کا نام جہانیاں جہاں گشت پڑ گیا۔

جب قیامت کے دن یہ حضرات اللہ کے حضور پیش ہو کر عرض کریں گے:

اللہ! ہم نے آپ کی تلاش میں اور آپ کی طلب میں یہ سفر کیا۔تو وہاں ہمارے نامہء اعمال میں بھی ایک سفر نکل آئے گا کہ اللہ! ہم نے بھی آپ کی تلاش میں ایک سفر کیا تھا۔باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں اگر ایک قبول ہوتی ہے تو سب کی ہو جاتی ہے۔اگر اللہ رب العزت نے ان مقبول بندوں کے سفر کو قبول کیا تو ہمارے اس سفر کو بھی قبول فرمالیں گے۔اس لیے کہ یہ نسبت بلند ہے۔ہماری حالت تو اس بڑھیا کی سی ہے جو دھاگے کی اٹی لے کر یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لیے گئی تھی۔اس وقت اسے کسی نے کہا کہ آپ تو یوسف علیہ السلام کو نہیں خرید سکتیں، کیونکہ بڑے بڑے امیر لوگ آئے ہوئے ہیں۔وہ کہنے لگی کہ یہ تو مجھے بھی پتہ ہے کہ میں خرید تو نہیں سکتی لیکن پھر بھی اس لیے آگئی ہوں کہ کل قیامت کے دن جب یہ پوچھا جائے گا کہ یوسف علیہ السلام کے خریدار کہاں ہیں تو مجھے بھی اس وقت اللہ کے حضور پیش ہونے کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔

اس لیے جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ میری تلاش میں دنیا میں سفر کرنے والے کہاں ہیں تو ان شاء اللہ ہمارے یہ قدم بھی اللہ کے ہاں یقیناً قبول ہوں گے۔پروردگار ہماری اصلاح فرمادے۔(آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿كُلُّ امْرِءٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾
(الطّور: ۲۱)

جزا اور سزا کا دن

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
بمقام: جامعہ عائشہ جھنگ
برموقع: افتتاحِ بخاری

اقتباس

اکثر لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہاں جائیں گے تو دیکھی جائے گی۔ گویا کہ آخرت کی تیاری وہ موت سے پہلے کرنے کے بجائے یوں سوچتے ہیں کہ جب وہاں جائیں گے تو نجات کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیں گے۔ یہی انسان کی غلط فہمی ہے۔ اس لیے کہ جب آگ لگ جائے تب کنویں نہیں کھودے جاتے، پہلے سے اگر کھودے ہوئے ہوں تو ان کا پانی کام آتا ہے۔ اسی طرح جو انسان دنیا میں موت کی تیاری کرے گا، قیامت کے دن اسے وہ تیاری کام آئے گی۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

جزا اور سزا کا دن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ:

وَ بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنِّىْ اِلَى الْاِمَامِ الْهَمَّامِ يَقُوْلُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ ذُوالْفِقَار اَحْمَدْ حَدَّثَنِىْ حَضْرَةُ الْاُسْتَاذ حَافِظُ الْقُرْآنِ وَ الْحَدِيْثِ مَوْلَانَا مُحَمَّدْ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدْ اَمِيْر قَالَ حَدَّثَنِىْ حَضْرَةُ الْاُسْتَاذْ مَوْلَانَا شَيْخ مُحَمَّدْ مَالِكْ كَانْدهلَوِىْ نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهٗ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ مُحَمَّدْ اِدْرِيْس قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ مُحَمَّدْ اِسْمٰعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِىْ عَلِىُّ بْنُ الطَّاهِرِ الْوَتْرِىْ الْمَدَنِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدْ عَابِدْ قَالَ حَدَّثَنِىْ صَالِحُ الْعُمْرِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدْ بْنُ سَنَةَ الْعُمْرِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ الْعَجَلِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ قُطْبُ الدِّيْنْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِىْ الْمُعَمَّرُ الشَّيْخ يُوْسُفُ هَرَوِىْ اَلْمَشْهُوْرُ بِسَه صَدْ سَالَه قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ شَاذْ قَالَ حَدَّثَنِىْ يَحْيَى بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفُ الْفِرَبْرِىْ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَّاسِعَةً قَالَ حَدَّثَنِىْ الشَّيْخُ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْحُجَّةُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الْحَدِيْثِ وَ سَيِّدُ الْمُحَدِّثِيْنَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُغِيْرَةَ الْجُعْفِيِّ الْبُخَارِىْ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً

بَابُ: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ: ﴿اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْ

بَعْدِهٖ﴾حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِنِ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ: اَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيُّ: اِنَّهٗ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصِ نِ اللَّيْثِيْ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَّانَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا، اَوْ اِلٰى امْرَاَةٍ يَّنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَاهَاجَرَ اِلَيْهِ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَo
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مدد مانگنے کا دن:

بخاری شریف کی ایک حدیث پاک آپ کے سامنے تلاوت کی گئی۔ جامعہ عائشہ صدیقہ کے تعلیمی سال کا پہلا دن ہے۔ جب بھی کسی چیز کی ابتدا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دامن پھیلا کر مدد مانگنے کا دن ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

﴿ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴾(ھود:۸۸)

جس طرح چھوٹا بچہ ہر کام میں اپنے بڑوں کا محتاج ہوتا ہے، ہم لوگ اس سے بھی زیادہ اپنے ہر کام میں پروردگار کے محتاج ہیں۔ آج ہم اس لیے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں کہ ہم اللہ رب العزت سے دعائیں مانگیں کہ پروردگار ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازیں اور وہ بچیاں جو عالیہ یا عالمیہ میں پہنچ چکی ہیں، ان کے تعلیمی سال کی ابتدا

دعاؤں کے ساتھ ہو، تاکہ وہ زیادہ شوق اور ذوق کے ساتھ حدیث پاک پڑھیں اور خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں۔

تین بنیادی عقیدے:

دینِ اسلام نے تین بنیادی عقیدے پیش کیے ہیں:

(۱)......توحید: ہمارا معبود حقیقی صرف ایک ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ

(۲)......رسالت: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سید الانبیاء ہیں، امام الانبیاء ہیں، خاتم النبیین ہیں، اللہ رب العزت کے محبوب ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں۔

(۳)......قیامت: کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے، جب سب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے اور ہر بندہ اپنے کیے دھرے کا جواب دہ ہوگا۔

كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (الطور:۲۱)

''ہر بندہ اپنے عملوں کے بدلے رہن میں رکھا گیا ہوگا''

جیسے رہن سے کوئی چیز چھڑانے کے لیے کچھ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح بندے کو بھی جان چھڑانے کے لیے نیکیوں کی صورت میں قیمت ادا کرنی پڑے گی، اس کو جزا اور سزا کا دن کہتے ہیں۔

یہ تین عقیدے بنیادی عقیدے ہیں اور باقی تمام عقیدے ان کے گرد و پیش گھومتے ہیں۔ وہ جزوی عقیدے ہیں۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ پہلے اور دوسرے عقیدے کا بھی انسان اس وقت تک پابند رہتا ہے جب تک کہ اس کا تیسرا عقیدہ مضبوط ہو۔ جب اس کے دل میں قیامت کا خوف ہو اور اللہ رب العزت کے سامنے پیشی کا خوف

ہوتو وہ دنیا میں اپنے نفس کو بھی قابو کرتا ہے، شیطان کے پیچھے بھی نہیں چلتا، خواہشات کو بھی اپنا قبلہ نہیں بناتا، بلکہ محنت و مجاہدہ کرتے ہوئے صبر و ضبط کے ساتھ پروردگار کے حکموں کی بجا آوری کے ساتھ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنتوں کی اتباع کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ حسرت اور افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارا یہی تیسرا عقیدہ کمزور ہو چکا ہے۔ اتنا کمزور کہ عورتیں آپس میں بات کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''ایہہ جہان مٹھا تے اگلا کیں ونج ڈٹھا''

جب وہ مسلمان ہوکر ایسی باتیں زبان سے نکالتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کے سامنے پیش ہونے کا پکا یقین نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہاں جائیں گے تو دیکھی جائے گی۔ گویا کہ آخرت کی تیاری وہ موت سے پہلے کرنے کے بجائے یوں سوچتے ہیں کہ جب وہاں جائیں گے تو نجات کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیں گے۔ یہی انسان کی غلط فہمی ہے۔ اس لیے کہ جب آگ لگ جائے تب کنویں نہیں کھودے جاتے، پہلے سے اگر کھودے ہوئے ہوں تو ان کا پانی کام آتا ہے۔ اسی طرح جو انسان دنیا میں موت کی تیاری کرے گا، قیامت کے دن اسے وہ تیاری کام آئے گی۔ جو بندہ دنیا سے بغیر تیاری کے فوت ہو گیا اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے اس نے سمندر کے اندر بغیر کشتی کے چھلانگ لگا دی۔

قیامت کے دن کے مختلف نام:

عام دستور یہ ہے کہ جو چیز زیادہ بڑی اور شان والی ہو اس کے زیادہ نام ہوتے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن کے بھی مختلف نام رکھے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

- اس کو یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ کہا گیا ہے۔ کھڑے ہونے کا دن۔ اللہ کے حضور پیشی کا دن۔
- یَوْمُ الْحَسْرَۃِ بھی کہا گیا۔ حسرت کا دن۔ کہ بہت سارے لوگ ایسے ہوں

گے جن کو اس دن بڑی حسرت ہو گی کہ کاش! ہم نے دنیا میں نیک اعمال کر لیے
ہوتے اور آج ہم یوں ذلیل اور رسوا نہ ہوتے۔

◉ یَوْمُ التَّغَابُنْ بھی کہا گیا ہے۔ تغابن کا لفظی معنی ہے، ''فیصلہ''۔ چنانچہ قیامت کا
دن فیصلے کا بھی دن ہے۔

﴿ یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنْ ﴾ (التغابن:۹)

(جس دن وہ تمہیں جمع ہونے کے دن جمع کرے گا اور وہ ہار جیت کا دن ہوگا)

اے انسان! وہ تیرے لیے ہار جیت کا دن ہوگا۔ یا تو زندگی کی بازی جیت
جائے گا، یا زندگی کی بازی ہار جائے گا۔

◉ یَوْمُ الْوَعِیْدِ بھی کہا گیا ہے۔

◉ یَوْمُ الْفَصْلِ بھی کہا گیا ہے۔

قیامت کے دن وہ نام جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے اگر ان کا اردو میں ترجمہ
کیا جائے تو تفصیل کچھ یوں ہوگی:

◉......روزِ قیامت

◉......یومِ حسرت

◉......یومِ حساب

◉......یومِ ندامت

◉......زلزلے کا دن

◉......کڑک کا دن

◉......روزِ واقعہ

◉......کھڑکھڑانے کا دن

◉......چھا جانے والا دن

⊙......دل کو ہلا دینے والا دن

⊙......روزِ برحق

⊙......ہنگامے کا دن

⊙......چیخ و پکار کا دن

⊙......ملاقات کا دن

⊙......باہم پکارنے کا دن

⊙......بدلے کا دن

⊙......ڈراوے کا دن

⊙......پیشی کا دن

⊙......اعمال کے وزن ہونے کا دن

⊙......فیصلے کا دن

⊙......جمع ہونے کا دن

⊙......دوبارہ اٹھنے کا دن

⊙......رسوائی کا دن

⊙......سخت دن

⊙......انصاف کا دن

⊙......پھیلنے کا دن

⊙......بلا شک و شبہ دن

⊙......وہ دن جس میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ اور

⊙......وہ دن جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

ان چند ناموں سے اندازہ لگائیے کہ قیامت کا دن کتنا عجیب دن ہوگا۔

دنیا کی سب سے بڑی خبر:

عام دستور یہ ہے کہ جب بڑے کسی چیز کو بڑا کہیں تو واقعی وہ بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت جو خود عظیم اور ارفع و اعلیٰ ہیں...... وهو العلي العظيم ......انہوں نے قیامت کے دن کے بارے میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۙ (النبأ:۱،۲)

یہاں اللہ رب العزت نے قیامت کے دن کے بارے میں نَبَاِ الْعَظِيْم کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ کہ اے محبوب ﷺ! یہ آپ سے پوچھتے ہیں ایک بڑی خبر کے بارے میں۔ یعنی ایک ''بڑا واقعہ'' یا ''بڑا حادثہ''

جب اللہ رب العزت کسی چیز کو بڑا کہیں تو اس کا مطلب ہے کہ واقعی وہ چیز بڑی ہوگی۔ چنانچہ ہم نے دنیا میں بڑی خبریں سنیں۔ مثلاً:

- ......ہم نے یہ خبر سنی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے تو سجدہ کیا، ابلیس نے نہ کیا، یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔
- ......حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتار دیا گیا، پوشاک اتاری گئی، یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔
- ......حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میں پوری دنیا کے اندر سیلاب آیا، یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔
- ......ایک پیغمبر علیہ السلام کی ہڈیوں سے لوہے کی کنگھی کے ساتھ گوشت کو علیحدہ کر دیا گیا، یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔
- ......قومِ ثمود علیہ السلام پر عذاب آیا، یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔
- ......قومِ عاد علیہ السلام پر عذاب آیا، یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔
- ......قومِ شعیب علیہ السلام پر عذاب آیا، یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔

⊙ ..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے فرعون اپنی قوم کے ہمراہ دریا کے اندر غرق ہوا یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔

..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا، یہ بھی اتنی بڑی خبر نہیں۔

جب اللہ کے محبوب ﷺ تشریف لائے تو آپ نے آ کر سب سے بڑی خبر سنائی۔ وہ سب سے بڑی خبر کیا تھی؟ کہ اے محبوب ﷺ! آپ سے یہ پوچھتے ہیں ..... عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ..... بڑی خبر کے بارے میں۔ اس بڑی خبر کا اعلان کرنے کے لیے بڑے پیغمبر تشریف لائے، اور انہوں نے آ کر بتایا کہ قیامت کا دن کب اور کیسے ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فجر کی نماز کے بعد بیان کرنا شروع کیا، اس میں قیامت سے پہلے رونما ہونے والی چھوٹی اور بڑی نشانیاں بتاتے رہے، حتیٰ کہ بتاتے بتاتے ظہر کا وقت ہو گیا۔ ہم لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد پھر اللہ کے محبوب ﷺ خطبہ دینے بیٹھ گئے، حتیٰ کہ اسی حال میں عصر کا وقت ہو گیا۔ اتنا کھول کھول کر اللہ کے محبوب ﷺ نے قیامت کے دن کے بارے میں بتایا۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴾

''اے انسانو! ڈرو اپنے پروردگار سے، بے شک قیامت (کے دن) کا زلزلہ بہت بڑا حادثہ ہے۔

آگے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿ (الحج:۲)

ر آن مجید میں قیامت کے دن کا تذکرہ:

قرآن مجید میں قیامت کے دن کا تذکرہ بہت کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ بلکہ
لی سورتوں میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد قیامت کے دن کا تذکرہ ملتا ہے۔
ثال کے طور پر:

......ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ○ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۣالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ○ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ○ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ○﴾

(الفرقان:۲۹_۲۵)

......ایک جگہ فرمایا:

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ (الانشقاق:۱)

......ایک جگہ فرمایا:

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴾ (الانفطار:۱)

......ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ ﴾ (زلزال:۱_۴)

یہ ایسا دن ہوگا جب زمین اپنی خبریں بیان کرے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کو رپورٹ

پیش کرے گی۔ اے مالک! تیرے اس بندے نے اس جگہ پر یہ عمل کیا، اس جگہ پر گناہ کیا، اس جگہ پر یہ گناہ کیا۔ انسان اس دن پریشان ہوگا کہ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ جس جگہ پر بیٹھ کر میں گناہ کروں گا وہی اللہ رب العزت کے سامنے گواہی دینے والی بن جائے گی۔

⊙.....ایک جگہ فرمایا:

﴿ اَلْقَارِعَةُ ۙ مَاالْقَارِعَةُ ۚ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ ؕ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ ﴾

(القارعۃ:۱۔۵)

قرآن مجید میں ایک ایسی سورت بھی ہے جس کا نام ہی سورت القیامۃ رکھا گیا ہے۔

⊙.....اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ؕ ﴾

(عبس:۳۴۔۳۶)

⊙.....ایک جگہ فرمایا:

﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَه ﴾ (الحاقۃ:۱)

⊙.....ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ (الانبیاء:۱)

⊙.....ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ﴾ (الانبیاء)

⊙.....ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَكَاتِبُوْنَ ﴾ (الانبیاء:۹۴)

میرے بندے جو عمل کر رہے ہیں ہم اس کو لکھ رہے ہیں یعنی لکھوا رہے ہیں۔

⊙ ...... یہ بھی کہا جائے گا:

﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴾ (الصفت:۲۴)

ان کو ذرا روکو اس پل کے اوپر، اس لئے کہ ان سے ہم نے کچھ سوال پوچھنے ہیں۔

قیامت کے دن کی چار گواہیاں:

قیامت کے دن چار شہادتیں قائم ہوں گی:۔

(۱) ...... انسان کے اعضا:

یہ سلطانی گواہ بنیں گے۔ یہ خود بتائیں گے کہ ہم نے دنیا میں کیا کیا کرتوت کیے۔

(۲) ...... اللہ کے فرشتے:

﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾

(الانفطار:۱۰۔۱۲)

(۳) ...... نامہ اعمال:

انسان کا نامہ اعمال بھی بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ اس دن اگر انسان کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں مل جائے گا تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں ہوگی۔ وہ کہے گا:

﴿ هَاۤؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴾

(الحاقۃ:۱۹۔۲۰)

دیکھا! یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دل میں یقین ہوگا کہ ہمیں قیامت کے دن اللہ کو حساب دینا ہے۔ اور جن کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا وہ کہیں گے:

﴿ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ مَا اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ ﴾

(الحاقۃ: ۳۵۔۳۹)

(۴)......زمین:

انسان جس جگہ پر گناہ کرتا ہے زمین کا وہ حصہ بھی اس کے خلاف گواہی دے گا اور رپورٹ دے گا کہ اس نے یہ یہ گناہ کیے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴾ (زلزال:۴)

معیتِ الٰہی کا احساس:

شہوت ایسی چیز ہے جو انسانوں کو گناہوں پر آمادہ کرتی ہے۔لیکن نیک انسان اللہ رب العزت کے سامنے کی شرمندگی اور رسوائی سے ڈرتے ہوئے اپنے نفس کو لگام ڈالتا ہے اور کوئی بھی کام خلاف شریعت نہیں کرتا۔ ہمارے اکابر، طلبا اور طالبات کے دلوں میں قیامت کا ایسا نقشہ جما دیتے تھے کہ دوران سال ہر دن وہ یونہی سمجھتے رہتے کہ ہم اللہ رب العزت کے سامنے جواب دہ حالت میں ہیں۔ چنانچہ وہ جو کام بھی کرتے ہیں اس کے بارے میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پروردگار ہمیں دیکھ رہے ہیں۔

﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ (الحدید:۴)

''اور وہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو۔''

ایک سبق آموز واقعہ:

ایک آدمی کہیں جا رہا تھا۔اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ تھا۔اس نے انگور کا ایک باغ دیکھا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ میں انگور اتارتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو راستے میں کھڑا کیا اور کہا: بیٹا! اگر کوئی آئے تو تم مجھے آواز دے دینا میں جا کر

انگور اتارتا ہوں۔

چنانچہ جیسے ہی باپ باغ میں گھسا پیچھے سے بیٹے نے آواز لگانا شروع کی:

یَا اَبِیْ !یَا اَبِیْ !اَحَدٌ یَرَانَا

''اے ابا جان !اے ابا جان !ایک ہمیں دیکھ رہا ہے۔''

یہ سن کر باپ جلدی سے واپس آ گیا۔قریب آ کر دیکھا تو آدمی تو کوئی نہیں تھا۔ لٰہذا اس سے پوچھا: بیٹا! ہمیں کون دیکھ رہا ہے؟ بیٹے نے کہا: ابو! انسان نہیں دیکھ رہا، انسانوں کا پروردگار دیکھ رہا ہے۔ اس وقت کے چھوٹے بچوں کے دل میں بھی قیامت کے دن کا اتنا خوف ہوتا تھا۔

ایک بچے کا حیران کن جواب:

بہلول دانا فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ گلی میں سے گزر رہا تھا کہ میں نے کچھ ایسے بچوں کو دیکھا جو کھیل رہے تھے۔ان کے قریب ہی کچھ اور بچے موجود تھے مگر ایک بچہ الگ بیٹھا ہوا بڑا مغموم اور اداس نظر آ رہا تھا۔میرے دل میں بات آئی کہ میں اس بچے کا دل بہلاؤں، پتا نہیں کیوں اداس اور مغموم ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے پوچھا: بیٹا! تمہیں کیا ہوا، تم ان کے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے؟ اس نے میری طرف دیکھ کر کہا: چچا جان!

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ﴾ (النور:۱۱۵)

یعنی کیا آپ یہ گمان رکیے ہیں کہ ہم بے فائدہ پیدا کیے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں بچے کی یہ بات سن کر بڑا حیران ہوا۔ چنانچہ میں نے اس سے پوچھا: بیٹا! تم ابھی چھوٹے ہو، تمہیں ابھی سے اتنا فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کہنے لگا: چچا جان! میں اپنے گھر میں دیکھتا ہوں کہ جب میری امی نے آگ جلانی ہوتی ہے تو وہ چولہے کے اندر چھوٹی چھوٹی لکڑیاں پہلے ڈالتی ہے، اس طرح وہ آگ سلگاتی ہے اور

جب آگ بھڑک اٹھتی ہے تو پھر بڑی لکڑیوں کی باری آتی ہے، چچا جان! جب میں یہ منظر دیکھتا ہوں تو مجھے قیامت کا دن یاد آ جاتا تھا، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سلگانے کے لئے چھوٹے چھوٹے بچوں کو پہلے ڈالے اور جب آگ بھڑک جائے، تو بڑے انسانوں کی باری بعد میں آئے۔ اللہ اکبر!

نبی رحمت کے دل میں پیشی کا خوف:

اللہ کے سامنے پیشی کا خوف ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو گناہوں سے بچا لیتی ہے۔ اسی دن کے بارے میں اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ فرمایا کرتے تھے:

يٰلَيْتَ رَبُّ مُحَمَّدٍ لَمْ يَخْلُقْ مُحَمَّدًا

''اے کاش! محمد ﷺ کا پروردگار محمد ﷺ کو پیدا ہی نہ فرماتا۔''

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں پیشی کا خوف:

یہی وجہ تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

يٰلَيْتَنِي كُنْتُ عُصْفُوْرًا

''اے کاش! میں ایک پرندہ ہوتا''

''اے کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا''

''اے کاش! میں گھاس کا کوئی تنکا ہوتا۔''

''اے کاش! میں کسی درخت کا پتہ ہوتا۔''

''اے کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دل میں پیشی کا خوف:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ ایک سائل آیا اور اس نے سوال پوچھنے کے بعد کہا:

يٰلَيْتَنِىْ اَكُوْنُ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ

''اے کاش! میں اصحابِ یمین میں سے ہوتا''

جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو فرمانے لگے:

يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ اِذَا مِتُّ لَمْ اُبْعَثْ

''اے کاش! اگر میں مرتا تو قیامت کے دن مجھے اٹھایا ہی نہ جاتا۔''

جب عبد اللہ بن مسعودؓ اس دن کے بارے میں یہ فرماتے ہیں تو اندازہ لگائیں کہ وہ کیسا دن ہوگا!؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اس دن سے بہت ڈرتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں پیشی کا خوف:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ گلی میں چکر لگا رہے تھے۔ فجر کا وقت قریب تھا۔ ایک مکان سے کسی بوڑھی عورت کی آواز آئی: کیا بکری نے دودھ دے دیا؟ جواب ملا: جی ہاں۔ پوچھا: کتنا دیا؟ جواب ملا: تھوڑا دیا۔ بوڑھی عورت کہنے لگی: لینے والے آجائیں گے اس میں پانی ملا دو۔ بچی نے جواب دیا: میں پانی کیوں ملاؤں؟ عمر نے تو یہ منع کیا ہے۔ بوڑھی عورت نے کہا: اب کونسا عمر دیکھ رہے ہیں؟ جوان بچی نے جواب دیا: اگر عمر نہیں دیکھ رہے تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو آپ واپس آگئے۔ دن کے وقت آپ نے اپنے دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر ان دونوں کو بلوایا تو پتہ چلا کہ ان میں سے جس نے جواب دیا تھا وہ ایک جوان العمر لڑکی ہے، ابھی کنواری ہے، باکرہ ہے، چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے کے لیے اس کا رشتہ مانگا۔ بالآخر نکاح اور پھر رخصتی ہوگئی۔

جب بہو گھر آگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک دن کہا: بیٹی! تیرے ذمے ایک کام ہے، تو اس کام کو روز کر دینا۔ اس نے پوچھا: امیر المومنین! کون سا کام؟ فرمانے لگے: جب میں صبح کے وقت تیار ہو کر اور خلافت نمٹانے کے لیے جانے لگوں

تو تم دروازے کے قریب آ کر مجھے ایک بات یاد دلا دینا۔ اس نے پوچھا: امیر المومنین! کیا بات یاد دلا دوں؟ فرمانے لگے: بس میرے قریب آ کر اتنا کہہ دینا:

''اگر عمر نہیں دیکھ رہا تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔''

حضرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کا اتنا اثر لیا کہ جب وہ اکیلے بیٹھے ہوتے تو چونک پڑتے اور کہہ دیتے: اگر عمر نہیں دیکھ رہا تو عمر کا خدا دیکھ رہا ہے۔

جب عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی کہ مجھے جلدی نہلا دینا اور جلدی کفنا دینا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! ہم جلدی تو کریں گے ہی، لیکن آپ اتنی تعجیل کی تاکید کیوں فرما رہے ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت مجھ سے ناراض ہوئے تو تم جلدی میرا بوجھ اپنے کندھوں سے اتار دینا، اور عمر کے انجام کو تو اللہ بہتر جانتا ہے۔''

وہ حضرات اس پیشی کے دن کے بارے میں اتنا متفکر رہتے تھے۔

ایک چرواہے کے دل میں پیشی کا خوف:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ وادیوں کے اندر بکریوں کو چرانے والا چرواہا اللہ رب العزت کا اتنا خوف دل میں رکھتا تھا کہ جب اسے کوئی کہتا کہ تم یوں خلاف شریعت کام کر لو تو وہ جواب میں کہا کرتا تھا:

اَیْنَ اللّٰہ ''اللہ کہاں ہے۔''

رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے دل میں پیشی کا خوف:

ایک مرتبہ رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے سامنے بھونا ہوا گوشت پیش کیا گیا، تو وہ دیکھتے ہی رو پڑی، لانے والے نے کہا: اماں! آپ کیوں رو پڑی ہیں؟ فرمانے لگی: میں اس

لیے روتی ہوں کہ مرغ مجھ سے زیادہ بہتر ہے۔ اس نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگی: وہ ایسے کہ اس مرغ کو پہلے ذبح کر کے اس کی جان نکالی گئی، اس کے بعد اس کو آگ کے اوپر بھونا گیا، اگر رابعہ کو قیامت کے دن معاف نہ کیا گیا تو اسے زندہ حالت میں جہنم کی آگ میں بھونا جائے گا۔

عمر بن عبدالعزیز ؒ کے دل میں پیشی کا خوف:

عمر بن عبدالعزیز ؒ کی ایک رشتہ دار بوڑھی عورت نے ان سے کہا کہ تم خزانوں کا مال اپنی اولاد اور اپنے اوپر خرچ کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے ایک دینار منگوایا اور اس کو گرم کر کے گوشت کے ٹکڑے کے اوپر ڈالا۔ اس سے گوشت جلنے لگا اور اس سے بو آنے لگی۔ وہ عورت کہنے لگی: تم نے اتنی بدبو کیوں مچائی؟ فرمانے لگے: آپ جو مجھے یہ کہہ رہی ہیں، ذرا سوچو کہ قیامت کے دن میرا اس طرح گوشت جلایا جائے گا۔

مالک بن دینار کے دل میں پیشی کا خوف:

مالک بن دینار ایک بزرگ گزرے ہیں، وہ ایک دن دوپہر کے وقت دھوپ میں کھڑے ہو کر اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں۔ کسی نے قریب ہو کر سنا تو وہ دعا کے دوران یہ آیت پڑھ رہے تھے:

﴿يَوْمَ لِيَسْئَلُ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ﴾

''قیامت کے دن سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

یہ آیت پڑھ کر وہ یہ دعا کر رہے تھے:

''اے اللہ! جن کو آپ خود سچا کہہ رہے ہیں، جب ان سے بھی قیامت کے دن آپ ان کی سچائی کے بارے میں پوچھیں گے تو پھر ہم جیسے جھوٹوں کا کیا

حال ہوگا!؟"

قیامت کے دن نفسا نفسی کا عالم:

قیامت کے دن نفسا نفسی کا عالم ہوگا، لوگ پریشان ہوں گے۔ جہنم کو پیش کیا جائے گا۔ اس کی انیس لگامیں ہوں گی، اور ہر لگام کو ایک بڑے فرشتے نے پکڑا ہوا ہوگا۔ اس کے نیچے ستر ہزار اور فرشتے بھی ہوں گے، اس وقت جہنم چیختی اور چنگھاڑتی ہوگی، اور لوگوں کو دیکھ کر غصے کی وجہ سے اس میں ابال آتے ہوں گے۔ حتی کہ اس کے ابال کی وجہ سے اس میں اتنے بڑے بڑے شرارے اٹھیں گے جیسے بڑے بڑے خچر ہوتے ہیں اور اس ابال کے وقت جہنم کہے گی:

"اے اللہ! مجھے نافرمانوں پر مسلط ہونے کی اجازت دے دیجیے۔"

اس حال کو دیکھ کر سب ڈریں گے، گھبرائیں گے کہ پتہ نہیں آج ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

چنانچہ سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ ان کی مدد کرنے سے معذرت کر دیں گے اور فرمائیں گے کہ میں اس وقت اللہ رب العزت کے حضور پیش نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ میں نے ایک ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا تھا۔ غلط فہمی کی وجہ سے۔ لہٰذا مجھے اب اپنے رب کے سامنے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

پھر سارے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہی ہمیں اللہ رب العزت کے حضور پیش کر دیجیے تاکہ ہم آج کے دن کی سختی سے بچ نکلیں۔ وہ کہیں گے ہرگز نہیں، میں نے اپنے بیٹے کے بارے میں دعا مانگ لی تھی اور اللہ رب العزت نے مجھ سے محبوبانہ خطاب فرمایا تھا اور کہہ دیا تھا:

﴿ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ﴾ (ھود:۴۶)

اس لیے میں تو اللہ رب العزت کے حضور پیش نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام وجود خلیل اللہ ہونے کے انکار فرمادیں گے۔ اور کہیں گے: نہیں، میں تو حاضر نہیں ہو سکتا۔

پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور عرض کریں گے: آپ کلیم اللہ ہیں، آپ اللہ رب العزت کے حضور یہ بات کہیے۔ وہ کہیں گے: نہیں، مجھ سے تو غلطی سے ایک آدمی مر گیا تھا جس کو میں نے سمجھانے کے لیے مکا مارا تھا۔ اس لیے میں تو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش نہیں ہو سکتا۔

پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے کہیں گے۔ وہ کہیں گے کہ لوگوں نے مجھے معبود بنائے رکھا اور میری والدہ کو بھی معبود بنائے رکھا، میں کیسے اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہو سکتا ہوں؟

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش:

بالآخر لوگ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس وقت اللہ رب العزت سے فرمادیجیے کہ اللہ رب العزت ہم پر رحم فرمائے اور ہمیں جہنم سے محفوظ فرمائے، جہنم کی آگ میں ابال آرہے ہیں، اس کی آگ کو دیکھ کر دل دہل رہے ہیں، ہمارا کیا بنے گا؟ ہم اس مصیبت سے کیسے جان چھڑائیں گے۔؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو مقام محمود پر پہنچائیں گے اور نبی علیہ السلام وہاں جا کر سر سجدے میں ڈال دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کریں گے جو اسے پہلے کسی نے کی، نہ بعد میں کوئی کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی تعریفیں کرتے ہوئے روؤں گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے میرے محبوب! آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ سر اٹھائیے، میرا

آپ کے ساتھ وعدہ ہے۔

﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾ (الضحیٰ: ۵)

''اور تجھے تیرا پروردگار اتنا دے گا کہ تو بس بس کرے گا''

اے محبوب ﷺ! سَلْ تُعْطَ'' آپ مانگیں تو سہی، میں آپ کو کیسے عطا کرتا ہوں۔''

جب اللہ رب العزت یہ فرمائیں گے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کریں گے: اے اللہ! اپنے بندوں کو اس دن کے غم سے نجات دے دیجیے اور ان کا حساب کتاب شروع فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمائیں گے: اچھا! کسی کو حساب کے لیے پیش کیجیے۔

اب یہ ایسا وقت ہوگا جب سب کے پتے پانی ہو رہے ہوں گے۔ انبیا بھی تھراتے ہوں گے۔ اور اولیا کے دل بھی کانپ رہے ہوں گے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر رحمتِ الٰہی کی برسات:

اس وقت اللہ کے محبوب ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بازو سے پکڑ کر آگے کر دیں گے کہ اللہ رب العزت کے سامنے اپنا حساب پیش کیجیے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونا شروع کر دیں گے اور کہیں گے: اے اللہ کے محبوب ﷺ! میری عمر کا زیادہ حصہ تو اسلام سے پہلے کا ہے، اس کے بعد کا حصہ تو بہت تھوڑا ہے، اس لیے میں اللہ کے حضور پیش نہیں ہو سکتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے: آپ پیش ہو جائیے۔ لیکن وہ ڈریں گے اور روئیں گے۔ مگر محبوب ﷺ کا حکم دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی سجدے میں جا گریں گے اور اسی طرح اللہ کی تعریفیں کریں گے جیسے اللہ کے محبوب ﷺ نے تعریفیں کی تھیں، اللہ رب العزت ان کو بھی فرمائیں گے: اے میرے ابو بکر! تو نے دنیا میں میرے محبوب ﷺ کا ساتھ دیا، آج تو بھی انھی کی طرح سجدے میں مجھ

سے معافی مانگ رہا ہے اور رو رہا ہے، اے میرے پیارے! آپ اٹھ جائیے، آپ کے بارے میں تو قرآن میں فیصلہ کر دیا تھا:

﴿ وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى ﴾ (الیل:۲۱)

”آپ کو بھی اتنا دیا جائے گا کہ آپ خوش ہوں گے۔“

آپ کے تو میرے محبوب ﷺ پر احسانات ہیں۔ میرے محبوب ﷺ نے فرمایا تھا: میں نے دنیا میں سب کے احسانات کے بدلے چکا دیے، ابو بکر! تیرے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ دے گا۔ اے ابو بکر! آؤ، آج میں اپنے محبوب ﷺ پر احسانات کا بدلہ چکاتا ہوں اور آپ کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیتا ہوں، جس دروازے سے آپ چاہیں جنت میں داخل ہو جائیں۔

ان کے بعد حضرت عمرؓ کو پیش کیا جائے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں گی۔ مگر وہ بھی گھبرا رہے ہوں گے۔ جب وہ اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوں گے تو وہ رونا شروع کر دیں گے۔ مگر ان پر اللہ رب العزت کی رحمت ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے عمر! آپ تو میرے محبوب ﷺ کی مراد تھے، دعائیں مانگ کر انہوں نے آپ کو لیا تھا، آج میں آپ سے کیسے حساب لوں!

ان کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جائے گا۔ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوں گے تو اللہ رب العزت ان کو دیکھ کر خوش ہو جائیں گے اور فرمائیں گے۔ اے عثمان! تم نے میرے محبوب ﷺ پر ایک ایسا احسان کیا کہ آج اس کا بدلہ دینے کا وقت ہے۔

وہ واقعہ یوں ہوا تھا کہ عید کا دن ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عید پڑھانے کے لیے جانے لگے۔ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے محبوب ﷺ! ہمیں

کچھ مال پیسہ دے دیجیے تا کہ ہم کچھ پکا لیں ۔ مدینہ کے یتیم آئیں گے اور بیوا ئیں
آئیں گی تو وہ بھی ہم سے مانگیں گی ، ہم بھی کچھ کھائیں اور ان کو بھی کھلائیں
محبوب ﷺ نے فرمایا: میری جیب میں تو کچھ بھی نہیں جو میں دے سکوں ۔ چنانچہ
انہوں نے صبر کرلیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عید کی نماز پڑھا کر واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے
گھر میں کھانا بنا ہوا ہے۔ یتیم بھی کھا رہے ہیں، بیوائیں بھی کھا رہی ہیں اور وہ خود بھی
کھا رہی ہیں ۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: عائشہ! آپ کو یہ سب کچھ کہاں
سے ملا؟ عرض کیا: اے اللہ کے محبوب ﷺ! جب آپ عید نماز پڑھانے کے لیے
تشریف لے گئے تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کھانے پینے کے سامان سے لدا ہوا ایک
ایک اونٹ اپنی تمام ماؤں یعنی آپ ﷺ کی تمام ازواج کے گھروں میں ہدیہ بھیجا
ہے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سنا تو ان کا دل بہت خوش ہوا۔ آپ نے دعا
دی:

يَا رَحْمٰنُ اَسَهِّلِ الْحِسَابَ عَلَى الْعُثْمَانِ

''اے رحمٰن! قیامت کے دن کا حساب عثمان رضی اللہ عنہ پر آسان کر دینا۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے محبوب نے آپ کو یہ دعا دی ہوئی تھی ، میں
آج اس دعا کی لاج رکھوں گا ، اے عثمانؓ! میں آج تیرا حساب آسان کر دیتا ہوں۔

ان کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جائے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

اَسْرَعُ الْمُحَاسَبَةِ حِسَابُ عَلِيٍّ

''(قیامت کے دن) سب سے زیادہ آسان حساب سیدنا علی کرم اللہ
وجہہ رضی اللہ عنہ کا لیا جائے گا۔''

ان کے بعد سب کا حساب شروع ہو جائے گا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی کا ڈر:

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جہاں یہ برگزیدہ ہستیاں قیامت کے دن اللہ کے سامنے روئیں گی، فریاد کریں گی تو وہاں ہم کس نامہ اعمال کو لے کر پہنچیں گے۔ ہمارا کیا حال ہوگا! اسی لیے تو کہنے والے نے کہا: ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

''اے اللہ! تو دو عالم سے غنی ہے اور میں فقیر ہوں۔''

روز محشر عذر ہائے من پذیر

''اے اللہ! قیامت کے دن میرے عذروں کو قبول کر لینا''

گر تو می بینی حسابم ناگزیر

''اے اللہ! اگر تو فیصلہ کر لے کہ میرا حساب لازمی لینا ہے'' تو

از نگاہ مصطفےٰ پنہاں بگیر

''اے اللہ! پھر قیامت کے دن مصطفےٰ کریم کی نظروں سے اوجھل حساب لینا''

تاکہ مجھے کہیں ان کے سامنے شرمندگی نہ ہو۔ کہیں میرے آقا یہ نہ کہہ دیں کہ تو میری کیسی بیٹی تھی!؟ تُو تو میری روحانی بیٹی تھی، تو ہی میرے حکموں پر عمل کر لیتی، باقی عورتیں چلو جاہلہ تھیں، وہ تو دین کے علم سے محروم تھیں، مگر تو تو قرآن پڑھنے والی تھی، حدیث پڑھنے والی تھی، خاصہ میں پڑھتی تھی، عالیہ میں پڑھتی تھی، عالمیہ میں پڑھتی تھی، تو ہی میری اس حدیث کی قدر کر لیتی، تو اس قرآن کی قدر کر لیتی، تو نے بھی میرے آنسوؤں کی قدر نہ کی، میں تمہاری مغفرت کے لیے راتوں کو روتا تھا، تو دن میں دوڑ دوڑ کے گناہ کرتی تھی، تمہاری نگاہیں گناہوں کے لیے اٹھتی پھرتی تھیں، تم نے بھی میری ان دعاؤں کی قدر نہ کی، تو نے علم حاصل کر کے میری یہ وراثت تو حاصل کر لی مگر اس کو عملی جامہ نہ پہنایا۔ سوچیے کہ پھر قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہوگا!

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ دعا مانگی:

''اے اللہ! قیامت کے دن بخش دینا، اے اللہ! قیامت کے دن بخش دینا۔''

بڑی دیر تک دعا مانگتے رہے۔ بالآخر فرمانے لگے:

''اے اللہ! اگر آپ نے قیامت کے دن مجھے نہ بخشا ہو، تو پھر مجھے اندھا کھڑا کر دینا، تاکہ مجھے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے شرمندگی نہ ہو۔''

سوچیے تو سہی کہ ہمارے اکابر تو ایسی ایسی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس دن ہمیں بھی اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔ جو لوگ نیکی پر عمل کرنے والے ہوں گے، تقویٰ پر عمل کرنے والے ہوں گے، قیامت کے دن وہی بخشے جائیں گے، پروردگار فرماتے ہیں:

﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ (التحریم:۸)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور جو لوگ ان پر ایمان لے آئے ان کو بھی رسوا نہیں کرے گا۔''

﴿ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾ (التحریم:۸)

یہ ایمان کا نور ہوگا جو انہوں نے قرآن پڑھ کے حاصل کیا، حدیث پڑھ کے حاصل کیا، مجاہدے کر کے حاصل کیا، سارا سال مدارس کے اندر رہ کے سادگی سے زندگی گزاری، پردے کے اندر رہ کر زندگی گزاری، تقویٰ کی زندگی گزاری اور پھر یہ نور، جو ان کو ملے گا، یہ نور ایمان قیامت کے دن ان کے کام آئے گا۔ لہٰذا قیامت کا دن بہت عجیب دن ہے۔ اسی لیے اس دن سے بڑے بڑے محدثین اور مفسرین بھی ڈرا کرتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں پیشی کا خوف:

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ تھے جن کے درس حدیث میں ایک ایک وقت

ں چالیس چالیس ہزار لوگ موجود ہوتے تھے۔ ان کی وجہ سے لاکھوں لوگوں کی
ندگی بدلی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو شاگردوں سے کہا: مجھے چارپائی
سے اٹھا کر زمین پر لٹا دو۔ شاگرد دیکھنے لگے۔ حضرت نے حکم دیا: جلدی کرو۔ الا مر
وق الادب ''امر ادب سے فائق ہوا کرتا ہے'' چنانچہ شاگردوں نے آپ کو زمین پر لٹا
یا۔ نیچے فوم کا کوئی گدا بھی نہیں تھا۔ قالین بھی نہیں تھا، کچی زمین تھی۔ جب انہوں
نے اپنے استاد کو زمین کے اوپر لٹایا تو یہ دیکھ کر ان کی چیخیں نکل گئیں کہ ان کے استاد
پنا رخسار زمین کے اوپر رگڑنے لگے اور اپنی سفید ریش کو پکڑ کر روتے ہوئے کہنے
لگے:

''اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما۔''

یہ نہیں کہا: اللہ! میں محدث ہوں، میں مفسر ہوں، میں نے حدیث کی خدمت کی،
یں نے طلبا کو پڑھایا، میں راتوں کو جاگتا رہا، میں نے تیرے سامنے اتنے سجدے
کیے، میں نے اتنی اچھی زندگی گزاری۔ کوئی عمل اللہ کے حضور پیش نہیں کیا۔ اگر پیش کیا
و کیا پیش کیا؟ کہنے لگے: ''اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما''۔ گویا اپنے سفید
بالوں کو اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا۔

جب اتنے اتنے بڑے اکابر کا یہ حال تھا تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں!
قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہوگا!؟ اس لیے آج اپنے گناہوں سے سچی معافی مانگنے
کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے شرمندگی
اٹھانی پڑے۔

خفیہ اعمال کرنے کا ذوق:

ہمارے اکابر قیامت کے دن کی یوں تیاری کیا کرتے تھے۔ وہ سوچ سوچ کر
خفیہ عمل کرتے تھے۔ تا کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہ ہو، وہ چاہتے تھے کہ فقط اللہ کے

لیے یہ عمل کیے جائیں۔ اور قیامت کے دن ان کی وجہ سے ہماری بخشش ہو جائے۔ آج تو اس بات کی فکر ہی بہت کم ہوتی ہے۔

اعمال کی قبولیت کی فکر:

حضرت عثمان خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کریانے کی دکان تھی۔ان کے پاس اگر کوئی کھوٹے پیسے لاتا تو وہ پیسے لے لیتے اور سودا دے دیتے۔ وہ ان پیسوں کو علیحدہ جمع کرتے جاتے تھے۔ انہوں نے پوری زندگی اپنا یہ دستور بنائے رکھا۔ کھوٹے پیسوں والوں کو کبھی واپس نہیں بھیجتے تھے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو وفات سے پہلے بستر پر لیٹے ہوئے دعا مانگنے لگے:

"اللہ! میرے پاس لوگ کھوٹا مال لے کر آتے تھے، کھوٹے سکے لے کر آتے تھے، اللہ! میں تیرے بندوں سے کھوٹے سکے قبول کرتا رہا، آج تو بھی میرے کھوٹے عملوں کو قبول فرمالے۔"

سوچیے تو سہی کہ ہمارے اکابر اس طرح موت کی تیاری کیا کرتے تھے۔

کھوٹے عملوں کا متبادل کچھ نہیں:

ایک بزرگ دکان پر سودا لینے گئے۔ جب دکان دار کو پیسے دیے تو اس نے دیکھ کر کہا: یہ تو کھوٹے ہیں۔ یہ سن کر رونے لگے۔ اتنا روئے کہ بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئے۔ کسی نے کہا: جی! اتنا رونے کی کیا بات ہے؟ چند سکے کھوٹے نکل آئے، ہم اور سکے دے دیتے ہیں۔ فرمانے لگے:

"یہ بات نہیں کہ مجھے سودا نہیں ملے گا، بلکہ یہ بات ہے کہ میں ان سکوں کو ٹھیک سمجھتا رہا، جب دکان دار کے ہاتھ میں آئے تو اس نے پرکھ کر کے کہہ دیا کہ سکے کھوٹے ہیں، دنیا میں میں اور بھی سکے لے سکتا ہوں، میرے دل میں

خیال آیا، او بندے! جن عملوں کو تو ٹھیک سمجھتا پھرتا ہے، اگر کل یہ عمل اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوئے اور پروردگار نے فرما دیا کہ تیرے عمل کھوٹے ہیں تو پھر میرا وہاں کیا بنے گا؟ میں تو وہاں کوئی متبادل عمل بھی نہیں لا سکوں گا۔ اس لیے میں اس دن کو یاد کر کے رو پڑا۔"

ایک بادشاہ کی بے قراری:

محمد شاہ، مکران کا بادشاہ تھا۔ وہ ایک مرتبہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ شکار کھیلنے کے لیے جنگل میں گیا۔ اس جنگل میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ اس کی گائے تھی، اس کے سپاہیوں نے اس گائے کو ذبح کر کے کھا لیا۔ اس عورت نے انہیں کہا کہ مجھے قیمت دے دو تا کہ میں دوسری گائے خرید لاؤں۔ مگر انہوں نے قیمت بھی نہ دی۔ اس نے بہت پریشان ہو کر کسی عالم سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ محمد شاہ اچھا آدمی ہے، تم اس سے خود ملاقات کرو اور اس کو بتاؤ، وہ تمہیں پیسے دے دے گا۔ بوڑھی عورت نے کہا کہ مجھے تو لوگ ان سے ملنے ہی نہیں دیتے۔ اس عالم نے کہا: اس نے پرسوں واپس گھر جانا ہے، اس نے ایک پل پر سے گزر کر جانا ہے، اس پل کے علاوہ دوسرا کوئی پل نہیں، تم وہاں پہنچ جاؤ اور اس پل کے اوپر کھڑے ہو کر اس کی سواری کو روک کر اپنی بات کر لینا۔ بڑھیا وہاں پہنچ گئی۔

جب تیسرے دن محمد شاہ کی سواری پل پر سے گزرنے لگی تو وہ بڑھیا آگے بڑھی اور محمد شاہ کی سواری کی لگام پکڑ لی۔ محمد شاہ نے پوچھا: بڑی اماں! کیوں روکا ہے؟

بڑھیا کہنے لگی:

"محمد شاہ! میری بات سن، تیرا میرا ایک مقدمہ ہے، میں اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ بتا اس پل پر فیصلہ کرنا چاہتا ہے یا قیامت کے دن پل صراط پر اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔"

جب اس بڑھیا نے یہ بات کی تو محمد شاہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ نیچے اتر آیا اور کہنے لگا: اماں! کیا بات ہوئی ہے؟ جب اس نے واقعہ سنایا تو محمد شاہ نے اسے ستر گائیوں کی قیمت ادا کی اور پاؤں پکڑ کر بے قراری سے کہا:

''اماں! ادھر ہی معاف کر دو، میں قیامت کے دن پل صراط پر حساب دینے کے قابل نہیں ہوں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی زندگیوں کو بدل کر آخرت کی فکر عطا فرما دے (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

213

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴾

قیامت کی نشانیاں

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامعہ عائشہ جھنگ

بر موقع: رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ (2005ء)

اقتباس

بہت سے ایسے لوگ آئے جن کے پاس خزانے تھے اورانہوں نے اپنی من پسند زندگی گزارنے کے انتظامات کیے، لیکن بالآخر وہ دنیا سے چلے گئے۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ ہم تو راستے کے راہی تھے، مسافر تھے، ہم نے اپنی منزل کی تیاری کرنے کی بجائے، راستے میں اپنا وقت ضائع کر دیا۔ جس طرح کوئی عقل مند انسان پل کے اوپر گھر نہیں بناتا اسی طرح کوئی بھی عقل مند انسان اس دنیا سے دل نہیں لگاتا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْب"

"تم دنیا میں ایسے زندگی گزارو جیسے کوئی پردیسی ہوتا ہے"

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قربِ قیامت کی نشانیاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ ﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اللہ رب العزت کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ یہ دنیا ہمارے لیے امتحان گاہ ہے۔ یہ سیر گاہ نہیں، تماشا گاہ نہیں، قیام گاہ نہیں، یہ امتحان گاہ ہے، افسوس کہ ہم نے اس کو چراگاہ بنا لیا۔ مقصدِ زندگی، اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے اور مقصدِ حیات اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔

خوب سے خوب تر کی تلاش:

آج زندگی کی ترتیب ایسی بن گئی ہے کہ ہر بندہ اپنی جنت سجانے میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ایمان والوں کے لیے آخرت میں جنت بنائی ہے، لیکن نفسِ انسانی اسی دنیا میں اپنی جنت بنانا چاہتا ہے۔

......میرا گھر ایسا ہو،

......میری بیوی ایسی ہو،

......میرے بچے ایسے ہوں،

......میرے کپڑے ایسے ہوں،

......میری گاڑی ایسی ہو،

......میرا بزنس ایسا ہو،

......میری عزت ایسی ہو،

آج تمام امور میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں زندگی بسر ہو رہی ہے۔ گو ہر بندہ اپنی پسند کی جنت بنانے میں لگا ہوا ہے اور اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ میں دنیا کی اس جنت کو جو بنانے میں لگا ہوا ہوں، یہ بھی ہمیشہ نہیں رہے گی اور میں بھی اس میں ہمیشہ نہیں رہوں گا۔ بہت سے ایسے لوگ آئے جن کے پاس خزانے تھے اور انہوں نے اپنی من پسند زندگی گزارنے کے انتظامات کیے، لیکن بالآخر وہ دنیا سے چلے گئے۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ ہم تو راستے کے راہی تھے، مسافر تھے، ہم نے اپنی منزل کی تیاری کرنے کی بجائے، راستے میں اپنا وقت ضائع کر دیا۔ جس طرح کوئی عقل مند انسان پل کے اوپر گھر نہیں بناتا اسی طرح کوئی بھی عقل مند انسان اس دنیا سے دل نہیں لگاتا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْب"

"تم دنیا میں ایسے زندگی گزارو جیسے کوئی پردیسی ہوتا ہے"

دھوکے کا گھر:

ہمارا وطن اصلی جنت ہے اور دنیا وطنِ اقامت ہے۔ کچھ وقت کے لیے ہم یہاں بھیجے گئے ہیں اور وہ وقت بھی تیاری کے لیے دیا گیا ہے۔ لیکن ہم اصل مقصد کو بھول کر ساری امیدیں، ساری آرزوئیں اور ساری تمنائیں اس دنیا میں لگا لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ بیٹے کی شادی کرنی ہے تو بس ایسی کریں کہ لوگ یاد رکھیں۔ بیٹی کی شادی کرنی ہے تو بس ایسی کرنی ہے کہ لوگ یاد رکھیں۔ یہ جو ہمارے نفس کے اندر چاہت

ہے کہ ہم اپنی من پسند کا ہر کام کرلیں، یہ انسان کو برباد کر دیتی ہے۔اس لیے انسان کو وہ اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لیے جائز ناجائز کی تمیز ختم کر دیتا ہے۔اسے اپنی منشا کو پورا کرنا ہوتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی منشا کو پورا کرنا یاد ہی نہیں رہتا۔یہ ایک دھوکا ہے۔اسی لیے دنیا کو دارلغرور کہا گیا ہے......دھوکے کا گھر......یہ دھوکا لکھے پڑھوں کو بھی لگ رہا ہے، عقل مندوں اور سمجھداروں کو بھی لگ رہا ہے، دانا اور بینا لوگوں کو بھی لگ رہا ہے۔بڑی اچھی صلاحیتوں والے لوگ ہوتے ہیں لیکن ان کی زندگی کا مرکز اور محور اسی دنیا کی آسائشیں ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴾ (الکہف:۱۰۳)

"کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اعمال میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے لوگ کون ہیں؟"

﴿ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ (الکہف:۱۰۴)

"وہ لوگ جن کی ساری کوششیں اسی دنیا کی زندگی کو بنانے میں لگ گئیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو بڑے اچھے کام میں لگے ہوئے ہیں۔"

من کی آنکھیں کھولنے کی ضرورت:

آج ذرا بے نمازی سے پوچھیے کیا حال ہے؟ جواب ملے گا: جو گزر جائے واہ واہ ہے۔اب سوچیے کہ دن رات تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہے، آخرت بگڑ رہی ہے، جہنم میں جانے کا راستہ ہموار ہو رہا ہے اور پوچھنے پر جواب ملتا ہے: جو گزر جائے واہ واہ ہے۔یہ غفلت کیسے دور ہو؟ اس لیے ہمیں ان محفلوں میں اپنے من کی آنکھ کھولنے کی ضرورت ہے۔

رب سے ملاقات کی تیاری کیسے؟

آج تو بچی پیدا ہوتی ہے تو ماں کو فکر لگ جاتی ہے کہ جب یہ جوان ہوگی اور اس کی شادی کا وقت آئے گا تو اس وقت میں اس کو کیسے اچھا جہیز دے سکوں گی، ہر ماں سمجھتی ہے کہ اگر بیٹی اچھا جہیز لے کر نہ گئی تو سسرال والوں میں اس کی کیا عزت ہو گی۔ ارے! ابھی بچی تو کھلونوں اور گڑیوں میں کھیل رہی ہوتی ہے، اس کے لیے ابھی سے اتنی فکر ہے، تو ماں اپنے بارے میں کیوں نہیں سوچتی کہ میں نے بھی اپنے اللہ رب العزت کے دربار میں پیش ہونا ہے۔ اگر میں وہاں نیکیوں کا جہیز لے کر نہ گئی تو وہاں میری کیا عزت ہوگی؟ میں اپنے رب کو کیا منہ دکھاؤں گی؟! اگر کسی تقریب میں جانا ہو یا لوگوں سے ملنا ہو تو عورتیں فوراً منہ دھوتی ہیں، اچھے کپڑے پہنتی ہیں اور تیار ہوتی ہیں۔ یہ کیا معاملہ ہے؟...... ہر ملاقات کے لیے تیاری...... ہر تقریب کے لیے تیاری...... قیامت کے دن اللہ رب العزت سے بھی تو ملاقات کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴾ (الکہف: ۱۱۰)

''جس کو یقین ہو کہ میں نے اپنے پروردگار سے ملاقات کرنی ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ نیک اعمال کرے، وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے''

خدا پرستی کوئی اور چیز ہے:

اپنے دل میں کسی غیر کی محبت کو نہ آنے دے۔ یہ جو نفسانی، شیطانی اور شہوانی تعلقات ہوتے ہیں، یہ حقیقت میں شرک ہوتا ہے۔ بندہ سمجھتا ہے:

ات ہوتے ہیں، یہ حقیقت میں شرک ہوتا ہے۔ بندہ سمجھتا ہے:

''بس تو میرا دین ایمان ایں سجناں''

وہ محبت جو اللہ رب العزت کا حق ہے ہم وہ مخلوق کو دے رہے ہوتے ہیں۔ کسی

ری کی ایسی چھاپ لگ جاتی ہے کہ

......دن میں بھی اسی کا خیال

......رات میں بھی اسی کا خیال

......اس کے فون کا انتظار

......اسی سے بات کرنے کو بے قرار

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾(البقرۃ:۱۶۵)

یہ بت ہے جن کی وجہ سے انسان بت پرست بنتا ہے۔یاد رکھیں! شہوت

تی، زن پرستی، زر پرستی، نفس پرستی، یہ سب کی سب بت پرستی ہی کی اقسام ہیں، خدا

تی کوئی اور چیز ہوتی ہے۔اگر آج آپ غور کریں تو ہماری سب آرزوئیں اور

تائیں اسی دنیا کے بارے میں ہیں۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللہ۔کاش! ہم اللہ رب العزت کی

ضا کو اپنی آرزو بنا لیتے۔

تیری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تری آرزو پوری
مری دعا ہے کہ تری آرزو بدل جائے

اللہ کرے کہ ہماری امیدوں کی انتہا اور ہماری محبتوں کا مرکز اور محور اللہ رب

العزت کی ذات بن جائے۔ہم اس کی یاد میں زندگی گزاریں،اسی کے لیے اد
ہوں،اسی کے لیے دن گزاریں،راتیں گزاریں،یوں گویا ہم اللہ تعالیٰ سے ملاقا
کے انتظار میں ہونگے۔اسی کیفیت کے بارے میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاَنَابَةِ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ

زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں:

دنیا کی زندگی عارضی اور فانی زندگی ہے جو بالآخر ختم ہو جانی ہے،اور آخرت
زندگی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے۔اس دنیاوی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں
کب ختم ہو جائے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (انبیاء:۱)

''انسانوں کے حساب کا وقت قریب ہو گیا اور وہ اپنی غفلت کے اندر
سرگرداں ہیں۔''

ہمیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ہر دن ہمیں ہماری قبر کے قریب سے قریب
تر کر رہا ہے۔ہماری زندگی کی مہلت کم ہوتی جا رہی ہے اور ہم اس بات سے بے پرو
ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اے دوست! تجھے کیا معلوم کہ بازار میں وہ کپڑا پہنچ چکا ہو جسے تیرا کفن بننا
ہے۔''

ہم موت کو بھول جاتے ہیں،موت تو ہمیں نہیں بھولتی،لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے
آپ کو آخرت کے لیے تیار کر لیں اور اپنے پروردگار کو راضی کرنے کے لیے کوشش کر
لیں۔

دورِ حاضر میں علاماتِ قیامت کا مشاہدہ

نبی علیہ السلام نے قرب قیامت کی بہت سی علامات بتائیں۔ان میں سے آج
تنی علامتیں اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

اڑوں کو چیر کر راستے بنانا:

ایک حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''جب مکہ مکرمہ کے پیٹ کو چیر کر راستے بنا دیے جائیں گے اور جب عمارتیں
پہاڑوں کے برابر اونچی ہو جائیں گی تو تم قیامت کا انتظار کرنا۔''

مکہ مکرمہ کے پیٹ کو چیرنے کا کیا مطلب؟ آج وہاں پہاڑوں کے اندر
و (سرنگیں) بنا کر انٹرنل رنگ روڈ اور آؤٹر رنگ روڈ بنا دی گئی ہیں۔گویا بندہ
نکھوں سے دیکھتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے پیٹ کو چیر کر راستے بنا دیے گئے ہیں۔

ندو بالا عمارتیں بنانا:

آگے فرمایا کہ جب عمارتیں پہاڑوں کے برابر اونچی ہو جائیں۔کیا مطلب؟
ج آپ حرم شریف سے باہر نکلیں تو آپ کو سامنے جو ہوٹل نظر آتے ہیں ان کی
ندی پہاڑوں سے بھی زیادہ ہے۔چودہ سو سال پہلے جب سنگل سٹوری مکانات
نانے کی عادت عام تھی ،مشینری بھی نہیں تھی اور سول بلڈنگز کا ڈیزائن بھی نہیں ہوتا
ھا،اس وقت یہ بات کہ ''جب مکانات پہاڑوں کے برابر اونچے ہو جائیں'' یہ عام
ندے کے بس کی بات نہیں۔ایسے لگتا ہے کہ نگاہِ نبوت آج کے ان حالات کا مشاہدہ
کر رہی تھی۔تو اس حدیث پاک میں جو دو نشانیاں بتائی گئی ہیں، ہم اپنی آنکھوں سے
ہ دونوں نشانیاں پوری ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

اہلِ عراق کا کھانا بند ہونا:

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں زور کی آندھی آ
اس وقت امہات المومنین میں سے کسی ایک نے یہ کہہ دیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! ک
قیامت تو نہیں آ گئی؟ نبی علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے، آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے
ارشاد فرمایا:

''قیامت کیسے آ سکتی ہے، ابھی تک تو اہل عراق کا کھانا پینا بھی بند نہیں ہوا اور
عرب کی سرزمین ابھی سرسبز نہیں ہوئی۔''

اہلِ عراق کا کھانا پینا بند ہونے کی وہ علامت ہے جو ہم نے اپنی زندگیوں
خود دیکھی۔ اہل عراق پر چند سال پہلے ایسا وقت آیا کہ کھانا پینا تو کجا، بیماریوں
لیے اس ملک میں دوائیوں کا جانا بھی بند کر دیا گیا تھا۔

سرزمینِ عرب میں زراعت کا ہونا:

اور فرمایا ''عرب کی سرزمین ابھی سرسبز نہیں ہوئی۔'' آج عرب کے اندر
زراعت ہونے لگ گئی ہے کہ وہ گندم میں خود کفیل ہو چکے ہیں۔ بلکہ ہر سال وہ فا
گندم لوگوں کی امداد کے لیے دوسرے ملکوں میں بھیجتے ہیں۔

ماں کے مقابلے میں بیوی کی فرمانبرداری کرنا:

اسی طرح کی علامات بیان کرتے ہوئے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

وَ اَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ وَ عَقَّ اُمَّهٗ وَ اَدْنٰی صَدِیْقَهٗ وَ اَقْصٰی اَبَاهُ

''اور جب لوگ ماں کی بجائے بیوی کی فرمانبرداری کرنے لگ جائیں اور
باپ کی بجائے دوست کی بات ماننے لگ جائیں گے۔''

دیکھو! یہ کیسی عجیب بات کہی! شریعت نے دائرہ کار متعین کر دیا ہے۔ ماں کے

اپنے حقوق، بیوی کے اپنے حقوق۔ جب انسان اس میں کمی بیشی کرے، والدین کو نظر انداز کرے اور بیوی کی ہر سیاہ سفید بات کو قبول کرے، یہ قیامت کی نشانی ہے۔

باپ کے مقابلے میں دوست کی بات ماننا:

دوسری بات یہ کہی ''باپ کی بات کو رد کرے اور دوست کی بات کو قبول کرے۔'' آج کے نوجوانوں میں یہ بات کثرت سے دیکھی جا رہی ہے۔ وہ باپ سے اس طرح نفرت کرتے ہیں جیسے کوئی پاپ سے نفرت کرتا ہے۔ کس لیے؟ اس لیے کہ باپ روک ٹوک کرتا ہے اور اچھی بات کی تلقین کرتا ہے اور دوست اس کو من پسند باتیں کرنے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ اس طرح دوست اچھا لگتا ہے اور باپ برا لگتا ہے۔

ماں کا اپنی حاکمہ کو جنم دینا:

ایک اور نشانی بتائی:

''جب ماں اپنی حاکمہ کو جنم دے۔''

آج کتنی بیٹیاں اتنی خودسر ہیں کہ مائیں بھی ان سے ڈرتی ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر ماں کے سامنے بولنا، ماں کے ساتھ جھڑپ لینا، ماں کے ساتھ ضد لگانا، یہ علامات آج اکثر و بیشتر گھروں میں دیکھنے میں آ رہی ہیں۔

صلحا کا کوئی بدل نہ ہونا:

ایک نشانی یہ بتائی:

''جب صلحا اپنا ثانی نہ چھوڑیں۔''

واقعی آج وہ وقت آ چکا ہے کہ جو عالم بھی دنیا سے جا رہا ہے، اس کے بعد اس جیسا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ کوئی ان کا بدل نظر نہیں آتا۔

زکوٰۃ کو تاوان سمجھنا:

فرمایا: ''جب لوگ زکوٰۃ کو تاوان سمجھنا شروع کر دیں۔''

یعنی لوگ جب زکوٰۃ ادا کرنے کو بوجھ سمجھیں۔ زکوٰۃ دیتے ہوئے ان کے دل پر بوجھ ہو۔ آج آپ دیکھ سکتے ہیں کہ لوگ کتنے شوق سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اکثر اس کو بوجھ سمجھتے ہیں۔

ہر کان کے پاس مغنیہ کا گانے گانا:

فرمایا'' جب ہر کان کے پاس مغنیہ گایا کرے۔''

آج یہ سیل فون ایسے بن چکے ہیں کہ جن میں ٹیلیفون کی رنگ ہی نہیں، ان میں میوزیکل ٹونز ہیں یا گانوں کی مختلف دھنیں ہیں۔

طواف کرتے ہوئے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اچانک اس کا فون آیا تو کسی انڈین فلم کا ایک گانا شروع ہو گیا اور اس نوجوان نے جیب سے فون نکال کر اٹینڈ کیا۔ اب بتایئے! جب بیت اللہ شریف کے سامنے طواف کی حالت میں بھی ان گانے والیوں کی آواز کانوں میں پڑے گی تو کیا یہ قیامت کی نشانی نہیں!؟ مسجدوں کے اندر نماز کی حالت میں یہی موسیقی سننے میں آتی ہے کیونکہ لوگ موبائل بند کرنا بھول جاتے ہیں۔

عریانی، فحاشی اور زنا کا عام ہو جانا:

فرمایا: ''جب عریانی، فحاشی اور زنا عام ہو جائے۔''

آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ آج عریانی کتنی عام ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ایسے وقت میں فرمایا کہ آندھیوں کا آنا اور زلزلوں کا آنا عام ہو جائے گا۔

ین دار لوگوں کو قتل کرنا:

فرمایا: دین دار لوگوں کو چن چن کر قتل کیا جائے گا۔"

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دین دار لوگوں کو دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں دیا جا
ہا۔ ہر جگہ مسلمان ہی پس رہے ہیں۔ بلکہ ان کو باقاعدہ پلاننگ کے ساتھ چن چن کر
تل کیا جارہا ہے۔

ادشاہ کا مرنا، گرہن لگنا اور آواز کا آنا:

ایک عجیب نشانی بتائی گئی۔ ایک حدیث پاک میں فرمایا:

"عرب کا بادشاہ مرے گا۔"

آپ ذرا غور کیجیے کہ کچھ دن پہلے یہ نشانی بھی پوری ہوئی ہے۔

"اور اس کے بعد آنے والے رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو سورج گرہن
لگے گا اور پندرہ تاریخ کو چاند گرہن لگے گا۔"

اب یہ گزرنے والا رمضان المبارک ایسا رمضان ہے کہ اس کی پہلی تاریخ کو
یک گرہن لگ چکا ہے اور پندرہ تاریخ کو دوسرا گرہن لگ چکا ہے۔ اور فرمایا:

"اس کے درمیان میں ایک ایسی آواز آئے گی جو پوری دنیا میں سنی جائے
گی۔"

ممکن ہے کہ پاکستان کے بعض حصوں میں جو زلزلہ آیا، یہی ایک ایسی آواز ہو
س کو پوری دنیا کے جانوروں نے بھی سنا اور خبروں کی شکل میں انسانوں نے بھی
نا۔ وہ زلزلہ بھی کیا تھا؟...... اللہ اکبر...... انسان کو اپنی بے بسی اور بے کسی بتانے کے
لیے ایک سبق تھا۔

کئی مرتبہ جب انسان کو کھانا پینا مل جاتا ہے تو وہ خدا کے لہجے میں بولنا شروع کر

دیتا ہے۔ چنانچہ ایسے بندوں کو ان کی اوقات یاد دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ بعض
اوقات زمین کو جھنجھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ عبرت حاصل کرنے کے لیے اس کی تھوڑی سی
تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔

زلزلے آنے کی دو وجوہات:

زلزلے آنے کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک طبعی اور دوسری شرعی۔

(۱)......طبعی وجوہات:

جب یہ زمین بنی تو یہ انتہائی گرم حالت میں تھی۔ اوپر کی سطح ٹھنڈی ہوگئی۔ مگر اس
کے اندر ابھی بھی مولٹن میٹل موجود ہے۔ یعنی آگ موجود ہے۔ اب وہ جب کبھی آپس
میں سیٹل ہوتی ہے تو زمین کے اوپر زلزلہ کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

یہ زلزلہ زمین کے مختلف حصوں میں آتا رہتا ہے۔ حتی کے ہر دن میں دنیا میں س
زلزلے آتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں اس لیے لوگ ان کو نوٹ
ہی نہیں کر پاتے، فقط آلات کے ذریعے ہی ان کا پتہ چلتا ہے۔

(۲)......شرعی وجوہات:

زلزلے آنے کی ایک وجہ شرعی نوعیت کی بھی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی انسانوں کے
اعمال اتنے بگڑ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جگانے کے لیے زمین کے ٹکڑے کو ہلنے کا
حکم دیتے ہیں اور زمین ہلنے لگ جاتی ہے۔

اِنَّ الْاَرْضَ تَزَلْزَلَتْ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهٗ
عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ: اُسْكُنْ فَاِنَّهٗ لَمْ يَأْنِ لَكِ .... ثُمَّ الْتَفَتَ اِلٰى
اَصْحَابِهٖ فَقَالَ: اِنَّ رَبَّكُمْ لَيَسْتَعْتِبُكُمْ فَاَعْتِبُوْهُ

''ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں زمین میں زلزلہ آیا۔ آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ زمین پر رکھا اور پھر حکم فرمایا: تو ٹھہر جا، ابھی قیامت قائم ہونے کا وقت نہیں آیا۔ پھر نبی علیہ السلام صحابہ ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: بے شک تمہارا پروردگار چاہتا ہے کہ تم توبہ تائب ہو جاؤ، پس تم توبہ کرو۔''

تو گویا نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے یہ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان توبہ تائب ہوں۔ اپنی غفلتوں سے، سستی سے، گناہوں سے اور بد کاریوں سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ زمین کو ہلاتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے:

زُلْزِلَةُ الْمَدِينة على عهد عمر ؓ فقال: ما هذا ؟...... لئن عادت لا تجدوني عليها

''حضرت عمر ؓ کے زمانہء خلافت میں مدینہ میں زلزلہ آیا۔ آپ نے (حیران ہوکر) کہا: یہ کیا ہے؟ تم میں سے کون ہے جس نے کسی نئی بات کا؟ ارتکاب کیا، اگر ایسا پھر ہوا تو میں تمہارے درمیان نہیں رہوں گا۔''

یعنی انہوں نے یہ کہا کہ یہ زلزلہ کسی نہ کسی عمل کی وجہ سے آتا ہے۔

غیروں کے لیے خوشبو استعمال کرنا:

حدیث پاک میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے پوچھا گیا: ''زلزلہ کیوں آتا ہے؟'' انہوں نے جواب میں زلزلہ آنے کی تین علامتیں ارشاد فرمائیں۔ پہلی علامت یہ بتائی:

''جب عورتیں غیر مردوں کے لیے خوشبوئیں استعمال کریں۔''

کیا عجیب بات کہی! آج آپ دیکھیں تو عورتیں خاوند کے لیے تو خوشبو کم استعمال کرتی ہیں اور باہر نکل کر تقریبات میں جانے کے لیے خوشبو زیادہ استعمال کرتی ہیں۔ کتنی نوجوان بچیاں ہیں جو سکولوں میں خوشبوئیں لے کر جاتی ہیں۔ اپنے کزنز کے لیے خوشبوئیں استعمال کرتی ہیں۔ جب عورت کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں بدن پر خوشبو اس لیے لگاؤں کہ غیر محرم میری طرف متوجہ ہوں تو یہ زلزلے کی ایک علامت ہے۔

غیروں کے سامنے ننگی ہونے میں جھجک محسوس نہ کرنا:

دوسری علامت یہ بتائی:

''جب غیر محرم مردوں کے سامنے عورتیں ننگی ہونے میں جھجک محسوس نہ کریں۔''

اب دیکھیے کہ یہ کتنی عجیب علامت بتائی کہ جب عورتوں کو ننگا ہونے میں جھجک محسوس نہ ہو۔ اس ننگا ہونے کے بھی درجات ہیں۔

چہرے کا ننگا ہونا، اس کو تو برا ہی نہیں سمجھتیں۔ وہ کہتی ہیں: یہ تو ہمارے کزن ہیں، یہ خالہ کا بیٹا ہے، یہ ماموں کا بیٹا ہے۔ یعنی اپنے رشتہ داروں میں وہ کھلے چہرے کے ساتھ بے محابہ ملتی ہیں۔ اس گناہ کا ارتکاب عام ہو چکا ہے۔

کچھ عورتیں تو یہ کہتی ہیں کہ چہرے کا تو پردہ ہی نہیں۔ یعنی مفتیہ بھی بن بیٹھتی ہیں۔ ان سے ایک بات پوچھیں کہ احرام کی حالت میں عورت کو جو یہ حکم دیا گیا ہے کہ چہرے کو کپڑا نہ لگے، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ احرام کے علاوہ حالت میں چہرے پر کپڑا ہونا چاہیے۔ اگر چہرے پر کپڑا تھا ہی نہیں تو احرام کی حالت میں یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ چہرے کو کپڑا نہ لگے؟ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ احرام کی حالت میں چہرہ کھول لیں، نہیں، بلکہ اس طرح کپڑا لیں کہ وہ چہرے سے ذرا دور رہے، مگر غیر محرم

مردوں سے پردہ کرنا لازم ہے۔قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ جب تم نے ایک دوسرے سے کوئی چیز لینی ہو تو

فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (الاحزاب:۵۳)

''تم پردے کے پیچھے سے ان سے سوال کرو۔''

اگر چہرے کا پردہ نہیں تھا تو ''پردے کے پیچھے سے'' کا حکم کیوں دیا؟ آخر قرآن میں یہ الفاظ کیوں موجود ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ آج کھلے چہرے کے ساتھ سب کے سامنے چلے جانے کو تو معیوب ہی نہیں سمجھا جاتا۔

اس سے آگے ذرا دیکھیے۔کتنی نوجوان بچیاں ایسی ہیں جو اپنا سر ہی نہیں ڈھانپتیں،سینہ نہیں ڈھانپتیں،بازو بھی آدھے ننگے ہوتے ہیں۔اس ننگے پن کے بھی درجات ہیں۔بہت ساری بچیاں ایسی ہیں جو کسی نہ کسی درجہ میں آج اس گناہ کی مرتکب ہو رہی ہیں۔گھر میں کام کرنے والے مردوں کو تو وہ اپنا محرم سمجھتی ہیں۔حالانکہ یہ کام کرنے والے مردان کے غلام تو نہیں۔

تو دوسری علامت یہ بتائی کہ جب عورتیں غیرمحرم مردوں کے سامنے ننگی ہونے میں جھجک محسوس نہ کریں۔کیا آج گھروں میں کام کرنے والے مردوں کے سامنے کھلے چہرے کے ساتھ آنے میں عورتیں کوئی جھجک محسوس کرتی ہیں؟نہیں۔تو معلوم ہوا کہ اس میں ہم بھی کسی نہ کسی درجہ میں ملوث ہیں۔

شراب اور موسیقی عام ہونا:

تیسری علامت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ ارشاد فرمائی:

''جب شراب اور موسیقی عام ہو جائے تو تم زلزلوں کا انتظار کرنا۔''

اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا ظَهَرَ فِيْ قَوْمٍ الزِّنَا وَلَا رِبَا اِلَّا اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عِقَابَ اللّٰهِ

''جب کسی قوم کے اندر سود اور زنا عام ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا کرتی ہے۔''

یہاں دو گناہوں کا تذکرہ ہے۔ ایک زنا کا گناہ اور دوسرا ربا کا گناہ۔ یہ زنا کا گناہ بھی عام ہے۔

ایک ہوتا ہے مبادیاتِ زنا۔ یہ تو بہت عام ہو چکی ہیں۔

- ...... غیر محرم کی طرف دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔ آج سو میں سے چند لوگ ہی قسمت والے ایسے ہوں گے جو اپنی نگاہوں کی سو فیصد حفاظت کرتے ہوں گے۔ وگرنہ تو مردوں کی نگاہیں عورتوں کو تلاش کرتی پھر رہی ہیں اور عورتوں کی الٹی سیدھی نگاہیں مردوں پہ پڑ رہی ہوتی ہیں۔
- ...... کانوں کا زنا بھی عام ہے۔ یہ سیل فون ایسی مصیبت ہے کہ کئی کئی گھنٹوں تک غیر محرموں کے ساتھ فون پر باتیں ہو رہی ہوتی ہیں۔ میسج بھیجے جا رہے ہوتے ہیں۔
- ...... دل کے اندر غیر محرم کا تصور باندھنا، دل کا زنا ہے۔
- ...... ملاقات کے لیے چل کے گئے تو یہ پاؤں کا زنا ہے۔

اگر آپ مبادیاتِ زنا کو دیکھیں تو یہ بہت عام ہو گئی ہیں۔ گو کہ جو کامل زنا ہے، اس میں کچھ مجبوریاں اور رکاوٹیں ہوں۔

ایک تو زنا کا تذکرہ فرمایا اور دوسرا سود کا تذکرہ فرمایا۔ آج کتنے کاروباری لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اکاؤنٹ سود والے کھلوائے ہوئے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی پاک چیز میں پیشاب کی ملاوٹ کر لی جاتی ہے، تو وہ پوری کی پوری ناپاک ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ جس قوم میں یہ دو چیزیں ظاہر ہو جائیں وہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب کا حق دار بنا لیتی ہے۔

گناہوں کی سزا......زلزلوں کی شکل میں:

پہلی امتوں کو بھی ان کی معصیتوں کی سزا زلزلے کی صورت میں دی گئی۔

......اہل مدین کے اندر اونچ نیچ تھی۔وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ﴾(الاعراف:۹۱)

''سو پکڑ لیا ان کو سخت زلزلے نے''

......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چالیس لوگ کوہ طور پر گئے تھے۔لیکن پھر نہوں نے بہانہ بازیاں شروع کر دیں کہ ہمیں کیا پتہ کہ اللہ سے ہم کلامی ہوئی یا نہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ﴾ (الاعراف:۱۵۵)

......قارون نے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے میں کوتاہی کی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ﴾ (القصص:۸۱)

''ہم نے اس کو اس کے گھر کو زمین کے اندر دھنسا دیا۔''

یہاں زلزلے کیوں نہیں آتے؟

آپ یہ مت سوچیں کہ زمین کے اس حصے میں تو زلزلے نہیں آتے۔جب شرعی وجوہات ہوتی ہیں تو زمین کے کسی بھی ٹکڑے کو اللہ تعالیٰ ہلا سکتے ہیں۔پرانے فالٹس (نقائص) جو ہزاروں سال پہلے کے خاموش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کر دیتے ہیں۔

زلزلے کے دوران کرنے کے کام:

ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ زلزلہ آئے تو کیا کریں؟ علامہ ابن قیم

ﷺ نے الجواب الکافی میں لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز ﷺ نے ایک مکتوب اپنے گورنروں کو لکھا کہ ''جب بھی تم زمین میں زلزلہ محسوس کرو تو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کرو، میدان میں نکل کر اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرو، دعا کرو اور اپنے مال کو اللہ کے راستے میں صدقہ دو۔''

چنانچہ علما نے لکھا ہے کہ ایسے وقت میں وہ دعائیں مانگنی چاہییں جو انبیائے کرام نے مانگی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مصیبتوں سے نکالا تھا۔ مثال کے طور پر:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الاعراف:۲۳)

یہ سیدنا آدم علیہ السلام کی دعا ہے۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ان سے مصیبت کو ٹال دیا تھا۔ یہ زلزلہ بھی ایک مصیبت ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں اس دعا کو پڑھنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔

⊙...... جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تھے تو انہوں نے وہاں پر اللہ رب العزت کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ آہ وزاری کی:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الاعراف:۲۳)

ان کلمات کی برکت سے اللہ رب العزت نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکال دیا۔ اسی طرح جب کوئی انسان کسی مصیبت کے پیٹ میں پھنس جائے تو ان کلمات کو پڑھنے سے اس مصیبت کی مچھلی کے پیٹ سے اس بندے کو نکال دیتے ہیں۔

درِمختار میں لکھا ہے کہ اگر زلزلہ آئے تو

''لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے گھروں میں الگ الگ نماز پڑھیں۔ اگر وہ نماز نہیں پڑھ سکتے تو دعا کریں، لیکن نماز پڑھنا افضل ہے۔'' کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ فَزَعَ اِلَى الصَّلٰوةِ

''نبی علیہ السلام کو جب بھی کوئی کٹھن معاملہ پیش آتا تھا تو آپ ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے۔''

بعض لوگ جہالت کی وجہ سے زلزلے کے وقت اذانیں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

ایک اور سوال بھی ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ جب زلزلہ آتا ہے تو اکثر لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ کمروں سے نکل کر باہر کھلی فضا میں آجاتے ہیں۔ ایسے میں لوگوں کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کیا کرنا چاہیے۔ بعض لوگ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اسے توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ تو درالمختار کتاب الفرائض میں ہے کہ اگر کوئی بندہ ایسی جگہ پر تھا کہ

اَخَذَتْهُ الزَّلْزِلَةَ فِيْ بَيْتِهٖ فَفَرَّ اِلَى الْفِضَاءِ لَا يُكْرَهُ بَلْ يُسْتَحَبُّ لِفَرَارِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْحَائِطِ الْمَائِلِ

''اگر زلزلہ آیا اور آدمی گھر میں تھا اور وہ نکل کر کھلی فضا میں آ گیا تو اس میں کوئی کراہت نہیں، بلکہ مستحب ہے، کیونکہ نبی علیہ السلام ایک مرتبہ جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے گزرنے لگے تو آپ تیزی سے اس کے نیچے سے الگ ہو گئے۔''

جس طرح گرتی ہوئی دیوار کے نیچے سے اللہ کے محبوب ﷺ ہٹ گئے تھے اسی طرح زلزلے کے وقت کمرے سے نکل کر کھلی فضا میں آ جانا، یہ بھی مستحب کہلائے گا۔

ایک تکوینی فیصلہ:

ایک بات اور سمجھیے۔ جن لوگوں پر یہ زلزلہ آیا وہ ہم سے زیادہ برے نہیں تھے اور

ہم ان سے زیادہ نیک نہیں ہیں۔ بس یہ ایک تکوینی فیصلہ تھا کہ اللہ نے زمین کے اس ٹکڑے کو جھنجھوڑ دیا اور ہمیں اللہ نے زندہ رکھا عبرت حاصل کرنے کے لیے۔ اگر تو ہم اس سے سبق حاصل کر لیں گے تو ہمارا فائدہ ہو گا اور اگر حاصل نہیں کریں گے تو پھر بالآخر جانا تو ہم نے بھی ہے۔ لہٰذا اپنی زندگیوں کو بدلنے کی نیت کر لیجیے۔

عجیب ترین زلزلہ

جب زلزلہ آیا تو ان دنوں وہاں جا کر لوگوں کو ملنے کا موقع ملا۔ انہوں نے وہاں کے عجیب وغریب احوال سنائے۔ کچھ زلزلے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر مکان اچھے بنے ہوئے ہوں تو وہ بچ جاتے ہیں، اور کچھ زلزلے ایسے ہوتے ہیں کہ مکانوں کا اچھا بنا اس میں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ وہ کیسے؟ عام طور پر زلزلے دائیں بائیں آتے ہیں اور مکانوں کو جھٹکے دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کنکریٹ یا سٹیل کے بنے ہوئے جو اچھے مکان ہوتے ہیں وہ بچ جاتے ہیں۔ مگر یہ زلزلہ تو عجیب تھا۔ اس میں زمین اوپر نیچے ہو رہی تھی۔

زمین میں دھنسنے والا کیسے بچ نکلا؟

ایک شخص نے خود یہ بتایا کہ جب زلزلہ آتا تو زمین یک دم ایسے بن گئی جیسے کپاس ہوتی ہے اور میں اپنی گردن تک زمین میں دھنس گیا۔ اور زلزلے کا دوسرا جھٹکا آیا تو زمین نے مجھے اچھال کر باہر نکال دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔

تین منزلہ مسجد زمین میں گڑ گئی:

ہم نے ایک تین منزلہ مسجد دیکھی۔ اسکی آخری چھت زمین کے برابر پڑی ہوئی نظر آ رہی تھی اور باقی پوری کی پوری مسجد زمین کے اندر گڑ گئی تھی۔ جیسے کیل کو کوئی شخص

ٹھوکر لگا کر زمین میں گاڑ دیتا ہے۔اسی طرح پورے کے پورے مکان زمین کے اندر دھنسا دیے گئے ہیں۔اب ایسے مکان کیا کریں!؟

پوری بستی دو پہاڑوں کے نیچے دب گئی:

ہمارے ایک بہت ہی قریبی تعلق والے عالم ہیں۔وہ زلزلے کے بعد اپنے والدین کی خیریت دریافت کرنے کے لیے اپنے گاؤں میں گئے۔ان کو پورا ایک دن لگا اور انہیں اپنا گاؤں ہی کہیں نہ ملا۔وہ حیران تھے کہ میں نے یہاں زندگی گزاری ہے،میرا گاؤں کہاں ہے۔بالآخر وہاں کے کسی بندے نے کہا کہ یہ جو دو پہاڑ ہیں، ان کو دیکھو، ان کی چوٹیاں آپ کو جانی پہچانی نظر آتی ہوں گی۔انہوں نے کہا: ہاں۔اس نے کہا کہ زلزلے کے وقت یہ دونوں پہاڑ آپس میں قریب ہو گئے تھے اور درمیان میں پوری کی پوری بستی ان پہاڑوں کے نیچے دب گئی تھی۔چنانچہ اس عالم کے تین سو پچیس رشتہ دار اس میں فوت ہو گئے۔چند منٹ کا زلزلہ آتا ہے اور ایک بندے کے تین سو پچیس رشتہ دار دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

خاندان کے سب لوگ چل بسے:

ہمارے ہاں جامعہ میں ایک بچی پڑھتی ہے۔اس کے ماں باپ، بہن بھائی، اور ان کے گھر میں جو چھوٹے بچے تھے، وہ سب کے سب اپنے گھر سمیت زمین کے اندر چلے گئے۔اب وہ اکیلی بچی دنیا میں موجود ہے۔یہ عبرت کی باتیں ہمیں جھنجوڑنے کے لیے ہیں تاکہ ہم ذرا آنکھیں کھولیں کہ ہمارے ساتھ بھی کیا معاملہ پیش آسکتا ہے۔

پوری بستی زمین میں دھنس گئی:

ہمارے ایک قریبی تعلق والے دوست ہیں، ان کی کزن کے ساتھ ایک عجیب

واقعہ پیش آیا۔ وہ ماشاءاللہ جوان العمر ہیں۔ ایک میجر کی بیوی ہیں۔ کہتی ہیں کہ میری ایک بیٹی چار سال کی ہے اور ایک بیٹا دو تین ماہ کا ہے۔ وہ، اس کا میاں اور دونوں بچے ایک ہی ڈبل بیڈ کے اوپر سو رہے تھے۔ وہ کہتی ہیں کہ اچانک چھوٹا بچہ ہلا جلا اور رویا، جیسے اسے فیڈ کی ضرورت ہو۔ گو مجھے بہت نیند آئی ہوئی تھی، مگر میں ماں تھی۔ میں اس نیند سے اٹھی کہ میں اپنے بچے کو فیڈ دے دوں۔

اچانک میری نظر ساتھ والی دیوار پر پڑی۔ مجھے اس میں ایک دراڑ پڑتی نظر آئی۔ میں نے فوراً اپنے میاں کو جگایا کہ دیوار میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ اٹھا اور اس نے دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ دیوار میں تو دراڑ آ رہی ہے۔ پھر اس نے جلدی سے بیٹی کو اٹھایا اور میں نے چھوٹے بیٹے کو اٹھایا۔ جیسے ہی ہم اپنے کمرے سے باہر نکلے، پیچھے ہمارے کمرے کی چھت زمین پر آ گری۔ ہمارے گھر کے فرنٹ پر ایک بالکونی تھی ہم درمیان میں ایک جگہ ٹریپ ہو گئے۔ میرے میاں نے ایک بڑی اینٹ اٹھائی اور کھڑکی کو دے ماری۔ جیسے ہی کھڑکی ٹوٹی تو اس نے باہر چھلانگ لگا دی اور مجھے کہا کہ جلدی سے مجھے بچے پکڑاؤ۔ میں نے کھڑکی میں سے اسے بیٹا پکڑایا اور اس نے لے کر زمین پر لٹا دیا۔ پھر بیٹی کو پکڑ کر زمین پر ڈال دیا۔ میرے لیے کھڑکی پر چڑھ کر اترنا ذرا مشکل ہو رہا تھا، اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر کھینچا اور بازوؤں سے بھی پکڑ کر کھینچا اور بالآخر جیسے ہی میں باہر گئی، جس بالکونی میں ہم کھڑے تھے اس کی چھت بھی زمین پر آ گری۔ پھر میں نے بیٹے کو اٹھایا اور میرے میاں نے بیٹی کو اٹھایا اور ہم وہاں سے بھاگے۔ مگر ہم سے بھاگا ہی نہیں جا رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے بیس بیس کلو کا وزن ہمارے پاؤں کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ پاؤں اٹھانا بھی مشکل تھا۔ وہاں زمین کی گریویٹیشنل فورس (کشش ثقل) بڑھ چکی تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ میرا خاوند میجر تھا، وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ آج تو قدم اٹھانا مشکل ہو رہا ہے۔ ہم وہاں سے مشکل سے پچاس

ذم پیچھے ہٹے ہوں گے کہ جب ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہماری ساری بستی کے
کانات زمین کے اندر چلے گئے تھے۔ ہمیں فقط زمین نظر آرہی تھی، کوئی مکان نظر نہیں
آرہا تھا۔

پنی بے بسی کا خیال رکھو:

اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں کہ بندو! تم اس دنیا کی زندگی میں
رمست ہو چکے ہو اور میرے حکموں کو توڑتے پھرتے ہو، میں اگر حکم دوں تو تمہاری
ساری زندگی کی سہولتیں ایک لمحے کے اندر ختم ہو جائیں۔ تم اپنی بے بسی اور بے کسی کا
خیال رکھو۔ تم اس عظیم پروردگار کے حکموں کو توڑتے ہو جس کے ہاتھوں میں زمین اور
آسمان کی طنابیں ہیں۔

مرنے والے سب لوگ برے نہیں تھے:

یاد رکھیں اس زلزلے میں مرنے والے سارے لوگ برے نہیں تھے۔ اس کی کئی
مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں۔

⊙......آپ حیران ہوں گے کہ سات دنوں بعد ایک ٹاور گرا۔ اس کے اندر سے اٹھارہ
یا سولہ سال کے ایک نوجوان کو نکالا گیا اور اس نے نکلتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ لوگوں
نے پوچھا: کیا تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں: وہ کہنے لگا:

''کیوں؟ جب میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں تو زندگی اور موت کا مالک میں اسی
کو سمجھتا ہوں، میں نیچے ملبے میں پھنس گیا تھا۔ مگر میں نے دل میں سوچ لیا تھا
کہ اگر میرے مولا کو میری موت مطلوب ہے تو میں مرنے کے لیے راضی
ہوں اور اگر اس کو بچانا مطلوب ہے تو میرا اللہ مجھے بچا دے گا۔''

دیکھیے! ایک نوجوان کا ایسا پختہ یقین تھا اور وہ بھی ملبے کے اندر پھنسا ہوا تھا۔

⊙......ایک بزرگ دسویں دن ملبے سے نکالے گئے۔ان کی عمر پچاسی سال تھی جب ان کو نکالا گیا تو ان پر بہت کمزوری تھی اور وہ کہنے لگے:

''ان دس گیارہ دنوں میں نہ میرا کوئی روزہ قضا ہوا اور نہ ہی میری نماز قضا ہوئی۔میرے پاس گھڑی تھی۔میں وقت کے حساب سے روزے کی نیت بھی کر لیتا تھا، افطاری کی نیت بھی کر لیتا تھا اور اپنے وقت پر میں تیمم کر کے نماز بھی پڑھ لیتا تھا۔''

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا گیا، یا ان کے مکانات زمین بوس ہو گئے، وہ ہم سے زیادہ برے نہیں تھے۔بلکہ کتنے ہی ہم سے زیادہ بہتر تھے۔کتنے نیکوکار لوگ تھے، کتنی پاکدامن عورتیں تھیں، مگر اللہ کا تکوینی فیصلہ آ گیا۔زمین کے اس ٹکڑے کو ہلا دیا۔جہاں برے چلے گئے وہاں نیک بھی ساتھ چلے گئے۔

کیا ان حالات وواقعات کو سن کر ہم اپنے دل میں یہ نیت کر سکتے ہیں کہ ہم بھی آج اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے سچی توبہ کرتے ہیں۔اگر ہم اتنے بڑے بڑے واقعات کو دیکھ کر اور سن کر بھی بات کو نہیں مانیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنی آخرت کو برباد کرنے پر تل گئے ہیں۔

سال میں ایک دو مرتبہ آزمائش:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَ لَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ (توبہ:۱۲۶)

''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائے جاتے ہیں اور پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے''

اللہ تعالیٰ ہر سال ایک یا دو دفع دکھا دیتے ہیں۔ کہیں سونامی آ جاتا ہے، کہیں زلزلہ آ جاتا ہے، کہیں طوفان آ جاتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ نشانیاں دکھا رہے ہیں کہ لوگو! جاگو، جاگو، تم غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہو اور تمہارا آگے جانے کا وقت قریب آ چکا ہے۔

آج ہم اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھیں تو دل نفرتوں اور عداوتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم کھلم کھلا اللہ کے حکموں کی بغاوت کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔ آج کا انسان دوسرے انسان کو کھا جانے کے لیے تیار ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو جھنجوڑتے ہیں۔

غور کیجیے! اس زلزلے میں

...... کتنے مویشی تھے، وہ بھی زمین کے اندر چلے گئے،

...... کتنی زراعت تھی جو زمین کے اندر چلی گئی،

...... کتنے نیک لوگ تھے، وہ بھی دنیا سے چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ عبرت کی نظر سے ان واقعات کو سننے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبرت پکڑو، باعثِ عبرت نہ بنو:

ہمارے مشائخ نے فرمایا:

اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ لِغَیْرِہٖ وَ الشَّقِیُّ مَنْ وُعِظَ لِنَفْسِہٖ

''نیک بخت وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے اور بد بخت وہ ہوتا ہے جو خود دوسروں کے لیے عبرت بنے۔''

ہماری نیک بختی یہ ہے کہ ہم آج کی اس محفل میں اللہ رب العزت کے سامنے اپنے تمام گناہوں کی سچی معافی مانگیں۔ یہ دعا پڑھیں۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ (البقرۃ:۲۸۶)

''اے پروردگارِ عالم! ہمیں نہ پکڑ لیجیے گا، اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں''

ہم نے تو یقیناً خطائیں کی ہیں، گناہ کیے ہیں۔ اس لیے ہمیں اور زیادہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا چاہیے۔ لہٰذا آج کی اس مجلس کو توبہ کی مجلس بنا لیجیے اور اپنی زندگی کی ترتیب کو سیدھا کرنے کی نیت کر لیجیے۔

آج زندگی کا رخ بدل لیں:

جو خواتین پردہ کرنے میں کوتاہی کرتی ہیں آج سچی توبہ کریں کہ ہم شرعی پردہ کریں گی۔ جو نمازوں میں سستی کرتی ہیں وہ آج سچی توبہ کریں کہ ہم پابندی سے نماز پڑھیں گی۔ جو خواتین اپنے خاوندوں کے ساتھ ہر وقت جھگڑوں میں لگی رہتی ہیں اور گھر کے سکون کو خراب کرتی ہیں وہ عہد کریں کہ ہم آج کے بعد اپنی نفسانیت اور انانیت کو توڑیں گی اور ہم گھر کے اندر پرسکون ماحول کو پیدا کریں گی۔ جن کے دلوں کے اندر کوئی غیر بسا ہوا ہے آج ان بتوں کو توڑ لیجیے۔ ع

''بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ پتھر کے''

اور ایک اللہ سے محبت کرنے کا عہد کر لیجیے۔ آج اللہ رب العزت نے یہ رمضان المبارک ہمیں دیا، معلوم نہیں کہ آئندہ رمضان المبارک کس کے نصیب میں ہوگا اور کس کے نصیب میں نہیں ہوگا۔ اس رمضان المبارک کے بھی چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ جیسے کوئی بندہ ہاتھ میں مچھلی پکڑے تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں سے نکل جاتی ہے، رمضان المبارک کا بھی یہی حال ہے۔ ایک وقت تھا کہ ہم انتظار میں تھے کہ رمضان المبارک آئے گا اور آج دیکھیں کہ چند دن باقی رہ گئے ہیں اور ان کے گزرنے میں بھی کوئی دیر نہیں لگے گی۔ ہم سوچیں کہ کیا ہماری مغفرت ہو چکی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہماری بخشش کے فیصلے کر لیے؟ کیا ہم نے رو دھو کر اپنے رب کو منا لیا۔ اگر اس میں ہم کوئی کمی کر چکے ہیں تو جو دن اور راتیں باقی ہیں ان میں اپنے اللہ کو

منا لیجیے؟ اپنے اللہ کے ساتھ جنگ نہ کیجیے۔ جو اپنے اللہ سے ٹکرائے گا، اس کے حکموں کو توڑے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کی گردن مروڑے گا اور اس کو دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بنادے گا۔ بندوں کو بندگی بجتی ہے۔ اللہ کے سامنے جھک جایئے۔ اس سے معافی مانگ لیجیے۔ میرے مولا! بہت گناہ گار ہیں، بہت خطا کار ہیں، مگر آپ نے ہی ہمیں مہلت دی ہے، اب ہماری توبہ کو قبول کر لیجیے اور آئندہ نفس اور شیطان کے مکروفریب سے ہمیں بچا لیجیے۔

آپ یہ سوچیں کہ آج ہم نئے سرے سے مسلمان ہو رہی ہیں اور ایک نئی ایمانی، اسلامی اور قرآنی زندگی بسر کرنے کا دل میں ارادہ کر رہی ہیں۔

ذرا سوچیے کہ اس جسم کو آپ نے زندگی میں مخلوق کی خاطر کتنی مرتبہ سجایا:۔

......میں ابو سے ملنے جا رہی ہوں،

......میں امی سے ملنے جا رہی ہوں،

......میں میاں کے پاس جا رہی ہوں،

مخلوق کی خاطر آپ نے اس جسم کو کتنی مرتبہ سجایا۔ کیا کبھی اس کو آپ نے اپنے رب کی ملاقات کے لیے بھی سجانے کی کوشش کی؟ رب کی ملاقات کی سجاوٹ تو یہ ہے کہ انسان کے کسی عضو سے کوئی گناہ نہ ہو اور وہ پاک جسم لے کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہو۔ اے اللہ کی بندی! جب تو اپنے چہرے کو ہزاروں مرتبہ مخلوق کی خاطر سجا چکی ہے تو اب اس چہرے کو اپنے رب کے لیے بھی سجا لے۔ کبھی غسل کر اور اچھے صاف کپڑے پہن کر مصلے پہ آ کر کھڑی ہو جا اور کہہ دے: اللہ! میں آپ سے صلح کرنے کے لیے آئی ہوں، میرے مولا! آج میں سب فاصلے ختم کرنے کے لیے آئی ہوں، اے اللہ! میں نفس کی مکاریوں سے توبہ کر کے آج تیرے سامنے سربسجود ہونے کے لیے آئی ہوں۔ رمضان المبارک کے اس بقیہ وقت میں کوئی تو تسلی کی دو رکعت پڑھ

لیجیے۔ اللہ کے سامنے کوئی ایسا سجدہ کر لیجیے کہ میرے مولا کو پسند آ جائے۔

نشانِ سجود تیری جبیں پر ہوا تو کیا
کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں رہے

ہم خلوص کا کوئی ایسا سجدہ کر جائیں کہ ہمارے مولا کو پسند آ جائے اور اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیوں کو بدل کر نیکوکاری کی زندگی بسر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾

(آل عمران:۱۹)

جینیٹک انجینئرنگ کے کرشمے

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

مقام: ویلکان فیکٹری ملتان

اقتباس

اللہ تعالیٰ نے جو انسان کے بارے میں خَلِیْفَۃٌ فِی الْاَرْضِ فرمایا، کہ یہ زمین میں میرا خلیفہ ہے، تو اس خلیفہ کا کیا مطلب ہے؟......اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان بھی ساری دنیا کی باریکیوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

''اور اس نے زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ بھی ہے وہ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔''

مسخر کرنا کسے کہتے ہیں؟ مفردات میں امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو لگام دے کر اس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

جینیٹک انجینیر نگ کے کرشمے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ○

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اعمال عبادت کیسے بنتے ہیں؟

انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔اس کو اللہ رب العزت نے دنیا میں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾

’’اور میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کی خاطر‘‘

عبادت کا کیا مطلب؟...... کہ وہ اپنی زندگی اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے طریقوں کے مطابق گزارے تو اس کا ہر کام عبادت بن جائے گا۔ممکن ہے کہ بعض لوگ عبادت کا رشتہ فقط مصلے کے ساتھ جوڑیں، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔مصلے پر بیٹھ کر بھی عبادت ہوتی ہے لیکن عبادت تو پوری زندگی پر محیط ہے۔اگر ہمارے معاملات، لین دین، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا اللہ

رب العزت کے حکموں کے مطابق اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقوں کے مطابق ہو تو سب کچھ عبادت بن جاتا ہے۔ بعض لوگ تسبیح کے منکے پھیرنے کو عبادت سمجھتے ہیں، ان کی زبان سے جھوٹ بھی نکل رہا ہوتا ہے، زبان سے دوسروں کو تکلیف بھی پہنچ رہی ہوتی ہے اور معاملات کی صفائی بھی نہیں ہوتی۔ وہ گویا اپنی پوری زندگی شریعت وسنت کے مطابق نہیں گزار رہے ہوتے۔ اگر کسی بندے نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کے مطابق اپنی تھوک پھینکی یا قضائے حاجت سے فراغت حاصل کی تو یہ عمل بھی اس کے لیے عبادت بن جاتا ہے۔

علم الاشیاء اور علمِ قلم:

اگر انسانیت کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا میں ''علم الاشیاء'' لے کر آئے۔...... علم الاشیاء سے کیا مراد ہے؟...... چیزوں کے ناموں کا علم۔ اب چیزوں کے جو بھی نام ہیں کبھی تو کسی نے رکھے ہی ہوں گے۔ سب سے پہلے یہ نام حضرت آدم علیہ السلام نے رکھے۔ مثال کے طور پر ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں، یہ پانی ہے، یہ درخت ہے، یہ زمین ہے، یہ آسمان ہے۔ یہ تمام الفاظ چیزوں کی طرف منسوب ہیں تو اس وقت کی زبان میں...... سریانی زبان تھی یا عبرانی، جو بھی تھی...... حضرت آدم علیہ السلام نے چیزوں کے ناموں کو متعین فرما دیا۔ یہ پہلا علم تھا جو انسان کو دنیا میں ملا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾

''اور سکھلا دیے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے''

پھر اس کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام تشریف لائے تو وہ ''علمِ قلم'' لے کر آئے۔ چنانچہ انہوں نے انسانیت کو قلم سے لکھنا سکھایا۔ اگرچہ وہ لکھائی ایسی خوشنما تو نہیں ہوتی تھی جیسی آج ہوتی ہے مگر کچھ نہ کچھ ایسے اشارے تھے جن سے چیزوں کو کسی

نہ کسی چیز کے اوپر قلم بند کر دیا جاتا تھا۔اس وقت علم لکھ کر بھی محفوظ کیا جانے لگا۔یوں انسانیت کو لکھنے کی نعمت نصیب ہوئی۔

ایگریکلچرانجینیئر نگ کا دور:

انسان نے دنیا میں جو سب سے پہلی صنعت سیکھی وہ کھیتی باڑی کی تھی۔اس لئے کہ انسان کی ساری ضروریات کا تعلق زمین سے ہی ہے۔جسم کی ہر ضرورت زمین سے پوری ہوتی ہے۔ہم روٹی کھاتے ہیں تو اس کی فصل زمین سے نکلتی ہے، جو پانی پیتے ہیں وہ زمین سے نکلتا ہے، جس مکان میں زندگی گزارتے ہیں اس کی ہر چیز زمین سے نکلتی ہے، جو لباس پہنتے ہیں اس کی فصل زمین سے نکلتی ہے۔تو ہمارے بدن کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ زمین سے ہی پوری کرتے ہیں۔اسی لیے زمین کو بنانے میں دو دن لگے مگر اس میں انسان کی ضروریات رکھنے میں چار دن لگے۔

﴿ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ بَارَكَ فِيْهَا اَرْبَعَةَ اَيَّامٍ ﴾

''اس نے زمین کو دو دنوں میں بنایا اور ان میں برکت ڈالی چار دنوں میں''

یعنی زمین میں جو نمکیات کا تناسب ٹھیک کیا اور انسان کی ضروریات کے لیے معدنیات زمین میں رکھی گئیں، اس برکت کو زمین میں رکھنے میں چار دن لگے۔اگر یہ تناسب ٹھیک نہ ہوتا اور زمین سے کھیتی نہ اگ سکتی تو انسان کی زندگی کیسے گزرتی؟ اگر فقط کھیتی اگتی اور معدنیات زمین سے نہ نکلتیں تو انسان کا کیا بنتا؟ یہ سب چیزیں انسان کے بدن کی ضروریات تھیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین سے نکال دیا۔چونکہ مٹی ہی انسان کی بنیاد ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مٹی میں ہی جسم کی ضرورتیں پوری کر دیں۔

......کیسے ضروریات پوری کیں؟......ایسے کہ وقت کے ساتھ ساتھ آبادی بڑھتی جا رہی ہے، تو وہی زمین اپنی فصل دینے کی صلاحیت کو ویسے ہی ساتھ ساتھ بڑھا رہی ہے۔ایک وقت تھا کہ زمین سے فصل لینے والے چند لوگ تھے اور آج اربوں انسان

دنیا میں ہیں، ان کے لیے پانی بھی زمین سے نکل رہا ہے اور سبزی، پھل اور دوسری نعمتیں بھی زمین سے نکل رہی ہیں۔ اور اگر آبادی اس سے کئی گنا بڑھ بھی جائے تو اللہ کی زمین سب کے لیے رزق مہیا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔

انسان نے سب سے پہلے کھیتی باڑی میں عروج حاصل کیا۔ شروع شروع میں سادگی کے زمانے میں مختلف سبزیاں اور پھل اگائے گئے اور انسان نے اپنی ضرورتیں پوری کرنا شروع کیں۔ اسی لئے پہلے دور میں جس کے پاس کچھ زمین ہوتی تھی وہ اس میں باغ لگا کر یا کھیتی باڑی کر کے اپنی گزر اوقات کر لیا کرتا تھا۔ بعد میں زراعت کا فن اتنا پھیلا کہ ''قومِ سبا'' کے دور میں زراعت کی ٹیکنالوجی اپنے عروج پر تھی۔ قرآن مجید نے اس کی گواہی دی:

﴿ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَّ شِمَالٍ ﴾

''قوم سبا کے لیے ان کی بستی میں نشانی تھی دو باغ دائیں اور بائیں''

ان کے راستوں میں کئی کئی میلوں تک دائیں بائیں باغات ہوتے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے سر پر خالی ٹوکری لے کر باغ میں داخل ہوتا تو وہ اتنا لمبا باغ ہوتا تھا کہ خود بخود گرنے والے پھلوں سے وہ ٹوکری بھر جاتی تھی اس سے پہلے کہ وہ باغ سے باہر نکل آئے۔ ہم جب یہ بات تفسیر میں پڑھتے تھے تو مانتے تو تھے مگر تعجب ہوتا تھا کہ یا اللہ! وہ کیسا باغ ہوگا کہ جس میں گرنے والے پھلوں سے ٹوکری بھر جاتی تھی۔ اللہ کی شان کہ ہمیں ایک مرتبہ ساؤتھ افریقہ میں کیلے کا ایک باغ دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ باغ پچاس میل چوڑا اور ڈیڑھ سو میل لمبا تھا۔ ہماری کار بھاگی جا رہی تھی اور باغ ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔ ڈیڑھ سو میل سفر کرنے کے بعد وہ باغ ختم ہوا۔ اس دن ہمیں یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن مجید میں جو قومِ سبا کی باتیں کہی گئی ہیں، ان کے باغات کیسے ہوتے تھے؟ ان کے ایک شہر سے دوسرے شہر تک

جتنی زمین ہوتی تھی اس میں باغات ہی باغات ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴾

''اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ کتنا پاکیزہ شہر ہے اور پروردگار مغفرت کرنے والا ہے''

جی ہاں، اللہ تعالیٰ بندوں سے یہی چاہتے ہیں کہ اس کا کھا کر اسی کا شکر ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھوکا رکھ کے خوش نہیں ہوتے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے ان نعمتوں کو کھاتے رہیں اور اپنی جبینِ نیاز میرے سامنے جھکاتے رہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب میزبان مہمان کے سامنے کوئی چیز رکھتا ہے تو اس کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ نہ کھائے، بلکہ اگر وہ نہ کھائے تو میزبان کو افسوس ہوتا ہے۔ اور اگر وہ شوق ورغبت سے کھائے تو اسے خوشی ہوتی ہے اور وہ الٹا مہمان کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ جی آپ نے ہمارا کھانا شوق سے کھایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ میرے بندے بھوکے اور پیاسے رہیں، بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ میری نعمتوں کو استعمال کریں مگر میرا شکریہ بھی ادا کریں کہ میں پروردگار نے ان کے رزق کا بندوبست فرما دیا۔ بھئی! اگر کوئی پیپسی کی بوتل پلائے تو دنیا اس کا بھی شکریہ ادا کرتی ہے تو جس پروردگار نے دسترخوان پر اتنی نعمتیں سجائیں، کیا اس کا حق نہیں بنتا کہ انسان اس کا بھی شکر ادا کرے؟ لیکن وہ تنگ آ کر کہتے تھے:

﴿ رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ﴾ (السبا:۱۹)

''اے ہمارے پرودگار! دراز کر دے ہمارے سفروں کو''

گویا کہ انہوں نے پروردگارِ عالم سے کہا کہ اے اللہ! ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانے کا مزہ ہی نہیں آتا۔ اگر درمیان میں کچھ ویرانہ اور خالی جگہ ہوتی تو پتہ چلتا

کہ ہم سفر کر رہے ہیں...... جی ہاں، جب بندے کو اس کی منشا کی ہر چیز مل جاتی ہے تو پھر اس کے اندر انانیت اور سرکشی آ جاتی ہے۔ یہ ساری مصیبتیں پیٹ بھرے کی ہیں۔ پیٹ خالی رہے تو اسے خدا بھی یاد رہتا ہے اور پیٹ بھر جائے تو خدا کو بھی بھول جاتا ہے۔...... یہی حال ان کے ساتھ بھی ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فاقے کے فضائل بیان کر رہے تھے۔ کسی آدمی نے کہا: جی فاقہ بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کی فضیلت بیان کی جائے؟ فرمانے لگے کہ اگر فرعون کو دنیا میں فاقے آتے تو وہ کبھی خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔ وہ اپنی اوقات بھول گیا تھا اسی لیے تو اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ جب بندے کو من پسند کھانا مل جاتا ہے اور اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ بس اب مجھے کسی کی کوئی پرواہی نہیں۔ وہ دینے والے کو بھی بھول جاتا ہے۔ تاتارخانیہ کے حاشیے میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ جو بندہ کثرت کے ساتھ بھوکا رہے یا اپنی ضرورت سے کچھ کم کھائے تو اس کی نصیحت کا دوسرے بندے پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اور اس بات کا آپ بے شک تجربہ کر کے دیکھیں کہ جو بندہ پیٹ بھر کے کھانے کا عادی ہو اس بندے کی بات سے دوسرے کی زندگی آپ کم ہی بدلتی دیکھیں گے۔ بڑے مزے کے بیانات اور تقریریں ہوں گی لیکن لوگ اس کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیں گے۔ تو یوں سمجھیں کہ پیٹ بھرے پر نہ تو بندے کی نصیحت کا اثر ہوتا ہے اور نہ ہی پیٹ بھرے کی نصیحت کا دوسرے بندے پر اثر ہوتا ہے۔ یہ بھوک بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت ہے کہ یہ بندے کو اس کی اوقات یاد دلاتی رہتی ہے۔ اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں اور دوسرے دن روزے سے رہوں اور میں اس پر صبر کروں...... تو قومِ سبا جب اللہ تعالیٰ کی نافرمان بن گئی تو ان کی ناشکری اور نافرمانی کی وجہ سے باغات کے

نیچے جو پانی کی رو بہہ رہی تھی اور سب فصلیں اگ رہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو خشک کر دیا اور ان کے سارے کے سارے باغات ختم کر دیے۔

جب انسان کو زراعت کی ٹیکنالوجی مل گئی تو وہ اس کو بڑھاتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے ایسے باغات بنائے جو ہوا میں معلق تھے۔ انہیں ''بابل اور نینویٰ کے معلق باغات'' کہتے ہیں۔......Hanging gardens of Babel......وہ ہوا میں لٹکتے ہوئے باغات تھے۔ ان کے پھول، ان کی shrubs اور ان کے Annual franels ایسے تھے کہ ان کے پھول ہوا میں لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ آج بھی ان کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ جب ہم بچپن میں پڑھتے تھے تو کتابوں میں بابل اور نینویٰ کے معلق باغات کا تذکرہ بھی آتا تھا۔ بہر حال وہ دور ایگریکلچر انجینئرنگ کے عروج کا دور تھا۔

سِوِل انجینیئرنگ کا دور:

اس کے بعد ایک اور دور آیا۔ اس دور میں انسان نے بلڈنگز (عمارتیں) بنانا شروع کر دیں۔ یعنی ایگریکلچر سے آگے بڑھ کر اس کا دھیان سول انجینئرنگ کی طرف آ گیا۔ اگرچہ اس وقت وہ وسائل نہیں تھے جو آج موجود ہیں، مگر اس دور کے حساب سے اس نے ایسی عالیشان بلڈنگز بنا دیں جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے لگیں۔

(۱)......مصر کے اندر جو اہرامِ مصر ہے اس کا شمار آج بھی Wonders of the world (دنیا کے عجائبات) میں ہوتا ہے۔ اس کے اندر فراعنہ مصر یعنی مصر کے بادشاہوں کی لاشوں کو کیمیکل لگا کر Mummify (حنوط) کیا ہوا ہے۔ ان اہرامِ مصر کو دیکھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی بڑی چٹانیں اٹھا کر کہاں سے لائے تھے۔ لوگ تو مکان بنانے کے لیے اینٹیں جوڑتے ہیں لیکن ان پر کئی کئی ٹن وزنی ایک ایک چٹان جڑی ہوئی ہے۔ ان چٹانوں کی اتنی مہارت سے کٹائی کی گئی ہے کہ جب

ان کا جوڑ لگایا گیا تو دیکھنے والے بندے کو جوڑ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اس زمانے میں نہ تو کرینیں ہوتی تھیں اور نہ ہی مشینری تھی، تو یہ ٹنوں کے حساب سے وزنی چٹانیں سینکڑوں فٹ تک پہنچانا اور وہاں فٹ کرنا واقعی بڑی حیران کن بات ہے۔ انہوں نے اس کو ایسے تکونی انداز میں بنوایا کہ اوپر جا کر تین دیواریں آپس میں ایک جگہ پر مل جاتی تھیں۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ مدتوں تک دنیا کو یہ سمجھ نہ لگی کہ اس کا دروازہ کہاں ہوگا۔ تاہم بہت سال پہلے جاپانی حکومت نے اس پر کام کیا۔ انہوں نے جیسے بندے کا الٹرا ساؤنڈ کیا جاتا ہے، اسی طرح مشین کے ذریعے اس کو بھی اندر سے دیکھا کہ کیا ہے۔ تو ان کو چند جگہوں پر اس کے بلاکس کے اندر gaps نظر آئے۔ انہوں نے جب حکومت سے اجازت لے کر ان کو کاٹا تو کیا دیکھا کہ سامنے سیڑھی موجود ہے۔ وہ سیڑھی بھی ایسی تنگ سی تھی کہ نہ بندہ کھڑا ہو کر اندر جا سکتا تھا اور نہ ہی لیٹ کے جا سکتا تھا بلکہ بس درمیان کی حالت میں آہستہ آہستہ اندر اتر کر جا سکتا تھا۔

جب وہ اندر گئے تو انہیں تین باتیں بڑی عجیب نظر آئیں۔ پہلی عجیب بات یہ ہے کہ اس کے اندر بہت بڑے بڑے ہال کمرے بنے ہوئے ہیں۔ ان ہال کمروں میں دن اور رات کے اوقات کا احساس ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ چاروں طرف سے بند ہیں۔ مگر ایسا پتھر لگا ہوا ہے کہ اس میں سے کچھ روشنی اس کے اندر چلی جاتی ہے۔ جیسے فائبر گلاس، اس کے اندر بھی روشنی چلی جاتی ہے۔ ...... چنانچہ دن ہوتا تو اندر کچھ اجالا ہوتا اور رات ہوتی تو اندر اندھیرا ہوتا۔

دوسری عجیب بات یہ ہے کہ وہ جو ہال بنائے گئے ان کی انجینئرنگ ایسی ہے کہ ان کے اندر ایک سائیکلون (ہوا کا بگولہ) چلتا ہے اور اندر کھڑے ہوئے بندے کو ہر وقت ہوا لگ رہی ہوتی ہے۔ یعنی وہ جگہ ایسی بنائی گئی کہ اگر ایک طرف سے ہوا deficient (کم) ہوتی ہے اور vacuum (خلا) پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف

سے ہوا آ جاتی ہے۔ وہ ہوا کا ایک آٹو میٹک سائیکل چل رہا ہے۔ نہ بجلی کی ضرورت نہ پنکھے کی ضرورت۔...... واہ میرے مولا!...... اس زمانے میں یہ انجینئرنگ کا شاہکار تھا۔ اس میں انہوں نے اپنے وقت کے بادشاہوں کی لاشوں کو حنوط شدہ شکل میں رکھا ہوا ہے۔ اس زمانے کی رکھی ہوئی لاشیں آج بھی محفوظ ہیں۔

تیسری عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے ان ہال کمروں میں بیڈ سجائے ہوئے ہیں۔ بلکہ ایک کمرہ تو ایسا ہے کہ اس کو انہوں نے باقاعدہ ایک دربار کی شکل میں سجایا ہوا ہے۔ یعنی اس زمانے میں جیسے بادشاہ کے دربار لگتے تھے، ویسے ہی دربار لگا ہوا ہے۔ تخت پر سونے کا کام کیا گیا ہے اور ایک بادشاہ تاج پہن کر تخت کے اوپر بیٹھا ہے اور وہ دروازے کے طرف دیکھ رہا ہے اور اس کا ہاتھ ایسے ہے کہ جیسے ابھی کوئی آرڈر دینے کے لیے تیار ہو۔ اب جب دیکھنے والا (زائر) کمرے میں داخل ہوتا ہے اور یک دم ایک بادشاہ کو یوں کر کے دیکھتا ہے تو اس کی چیخ نکل جاتی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا وہ بندہ عام حالت میں مرا اور انہوں نے اس کو اس طرح سے محفوظ کر کے وہاں بٹھا دیا یا اسے اسی حالت میں موت آئی تو اس کو وہاں پہنچایا کیسے گیا؟...... اللہ تیری شان...... آج کے اتنے ترقی یافتہ دور کا انسان بھی جب وہاں جا کر اس جگہ کو دیکھتا ہے تو اسے دنیا کا عجوبہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

سول انجینیئرنگ میں انسان نے کیا ہی عجیب وغریب بلڈنگز بنائیں۔ یہ نہیں ہے کہ آج ہی کوئی عجیب بلڈنگز بن رہی ہیں۔ یہ پہلے زمانے کی بات ہے۔ آج لوہا بلڈنگز کے اندر عام استعمال کیا جاتا ہے مگر یہ بھی کوئی ابھی کی بات نہیں ہے، یہ پہلے زمانے سے کیا جاتا تھا۔ اگرچہ چودہ سو سال پہلے پتھر کا زمانہ تھا اور اس وقت کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ لوہا بھی بلڈنگز میں استعمال ہوتا ہے یا نہیں۔ سب سے پہلے مسجد نبوی میں سیدنا عثمان غنیؓ نے لوہے کی کوئی چیز استعمال کی۔ اس سے پہلے مسجد میں لوہے کی کوئی چیز نہیں

تھی۔مگراس سے بھی پہلے کی تاریخ دیکھیں تو حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک دیوار بنائی تھی چنانچہ انہوں نے لوگوں کوفرمایا:

﴿ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ﴾

''مجھے لوہے کے ٹکڑے لادو''

چنانچہ حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام نے وہ دیوار بنائی اوراس دیوار میں انہوں نے پتھروں کے ساتھ لوہے کا استعمال بھی کیا۔آج کے زمانے میں یہی پتھراور لوہا ملا کر استعمال کرنے کو کنکریٹ کہتے ہیں۔گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انجینئرز حضرات صرف آج ہی یہ stress analysis نہیں کر رہے ہوتے بلکہ یہ پہلے زمانے کے انسان کی دریافت کی ہوئی چیز ہے۔

(۲)......ٹھٹھہ میں ماکلی کا قبرستان ہے۔اس کے قریب ایک بادشاہی مسجد ہے۔اگر آپ اس مسجد کے محراب میں کھڑے ہوکر آواز دیں تو بغیر سپیکر کے وہ آواز اتنی بڑی مسجد کے آخری دروازے تک پہنچ جاتی ہے۔یہ عاجز اتنا اونچا نہیں بول سکتا۔میں نے وہاں تھوڑی دیر کے لیے عام آواز میں بیان کیا اور دروازے پر کھڑے ہوئے ایک دوست نے مجھے وہ پورا بیان سنا دیا۔میں حیران ہوااوران سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟انہوں نے کہا کہ یہ جو محرابیں اور گیلریاں بنی ہوئی ہیں ،یہ ایسی انجینئرنگ کے ساتھ بنائی گئی ہیں کہ یہ آواز خود بخود چلتی ہوئی اس دروازے تک پہنچ جاتی ہے۔آج کے دور کے انسان نے سپیکر بنا لیے اوراس دور کے انسان نے اس کا آسان حل یہ نکال لیا۔

مسجد بہت ہی اونچی تھی۔ہم نے دیکھا کہ اس مسجد کی دیوار پر کچھ لکھا ہوا تھا۔لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ نیچے سے اوپر ایک جیسی لکھائی نظر آرہی تھی۔ہمیں یہ بات

بڑی عجیب لگی ۔ وہاں آثارِ قدیمہ والے ایک صاحب آئے ہوئے تھے ۔ جب ان سے پوچھا تو وہ کہنے لگے: اگر چہ یہ سینکڑوں سال پہلے بنی، مگر لکھائی کرنے والوں نے پہلے یہ اندازہ لگایا کہ کتنی دور سے دیکھ رہے ہیں، سامنے سے دیکھیں تو چیز فاصلے کے ساتھ ساتھ قد کے حساب سے ذرا چھوٹی نظر آنا شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اندازہ لگایا کہ نیچے سے اوپر تک کی ہر لائن میں کتنا کتنا فرق پڑتا ہے، انہوں نے اسی حساب سے نیچے سے اوپر ہر لائن کا سائز بڑھایا۔ چنانچہ نیچے والی لائن کا سائز اور ہے، اس سے اوپر ذرا بڑا سائز کر دیا، اس سے اوپر اور بڑا کر دیا۔ لہٰذا اب دیکھنے والے بندے کو پہلی اور آخری لائن ایک جیسی نظر آتی ہے۔ حالانکہ لکھنے والے نے اسے مختلف سائز میں لکھا ہوا ہے ۔...... اس سے اندازہ ہوا کہ اس زمانے کے حضرات نے بھی بلڈنگز بنانے میں اتنی مہارت سے کام لیا۔

مکینیکل انجینیئر نگ کا دور:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں جستجو رکھی ہے۔ اس لیے یہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے ۔ چنانچہ سول انجینیئر نگ میں کام کرنے کے بعد اس نے ایک قدم یہ بڑھایا کہ اس نے لوہے کا استعمال عام کرنا شروع کر دیا۔ یہ لوہے کا استعمال انسانی زندگی میں حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ﴾

''اور ہم نے (داؤد علیہ السلام کے لئے) لوہے کو نرم کر دیا''

یعنی جس طرح ہمارے لئے پلاسٹک نرم ہوتا ہے ربڑ کی طرح، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ لوہے کی کڑیوں کو اس طرح جوڑتے تھے کہ وہ زرہ (یعنی انسان کا حفاظتی لباس) بن جاتا تھا۔ چونکہ اس

زمانے میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی اس لیے جب کوئی لوہے کی زرہ پہن لیتا تھا تو اس کے جسم پر وار اثر نہیں کر سکتا تھا۔ تو یہ فن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس زمانے میں سکھایا۔ اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ ﴾

''اور ہم نے ہی ان کو سکھائی لباس یعنی زرہ بنانے کی صنعت''

اس کے بعد لوہے کا استعمال پھر اور زیادہ عام ہونے لگا۔ کبھی تلوار اور نیزہ کی شکل میں اور کبھی زرہ کی شکل میں۔ پھر اس سے آگے بڑھا تو بلڈنگز میں بھی استعمال ہوا۔ اس طرح یہ ایک ٹیکنالوجی بن گئی جسے آج کے دور میں مکینیکل ٹیکنالوجی اور مکینیکل انجینئرنگ کہتے ہیں۔ یہ مکینیکل انجینئرنگ کا دور دورِ نبوت کے بعد شروع ہوا۔ اس سے پہلے لوہے کا استعمال بہت زیادہ نہیں تھا۔ مگر جب انسان نے پہیہ بنالیا تو پھر مکینیکل انجینئرنگ میں بہت زیادہ ایڈوانسمنٹ ہوتی گئی۔ چنانچہ جب انسان نے انجن بنایا تو اسے بڑی خوشی ہوئی کہ جی اب ہم وزنی چیزوں کو کھینچ کے لے جا سکتے ہیں۔ پھر ریل گاڑیاں بن گئیں۔ ریل گاڑی اپنے دور کی ایک عجیب چیز ہوتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ جی دیکھو، ریل گاڑی پٹڑیوں کے اوپر چلتی ہے، تیز بھاگتی ہے اور لاکھوں منوں کے حساب سے وزن کھینچتی ہے۔

الیکٹریکل انجینئرنگ کا دور:

اسی دوران انسان نے ایک اور چیز ایجاد کی جسے ڈائنمو یا جنریٹر کہتے ہیں۔ اس سے بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ اس کی ایجاد الیکٹریکل انجینئرنگ کی بنیاد بنی۔ اس نے آ کر ترقی کے دروازوں کو کھول دیا۔ چنانچہ پہلے زمانے میں جو تبدیلیاں سینکڑوں سالوں میں آتی تھیں وہ الیکٹریکل انجینئرنگ کے آنے کے بعد آدھے وقت میں آنا

شروع ہوگئیں۔انسان نے پہلے ڈی۔سی جنریٹر بنائے، پھراے۔سی جنریٹر بنائے۔ اس کے بعد گھروں کی سہولیات کے چیزیں بنا شروع ہوگئیں۔گھروں کے اندر بجلی آگئی۔ یہ زمانہ بہت دور کا زمانہ نہیں ہے۔ہم نے اپنے پورے زمانہ طالب علمی میں لالٹین پر پڑھا۔اس وقت بلب بہت ہی کم گھروں میں ہوتے تھے۔اگر کسی گھر میں بلب ہوتا تو سمجھتے تھے کہ یہ بڑے امیر لوگ ہیں۔ ٹیوب لائٹس اور پنکھوں کا تو سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔چند سال اور گزرے تو آج یہ نعمت جہاں امیر کے گھر میں ہے، وہاں غریبوں کے گھر میں بھی پہنچی ہوئی ہے۔تو وقت کے ساتھ ساتھ موٹر بھی بن گئی جس نے پانی نکالنا شروع کر دیا، پنکھا لگا دیا جس نے ہوا دینی شروع کر دی۔چنانچہ اب یہ سہولیات اتنی عام ہو چکی ہیں کہ آج ایک غریب گھر میں بھی آدمی لائٹ جلاتا ہے اور پنکھے کی ٹھنڈی ہوا کے نیچے بیٹھ کر زندگی گزارتا ہے۔اس طرح انسان نے اپنے آپ کو بہت زیادہ خوش محسوس کرنا شروع کر دیا۔جب الیکٹریکل انجینئرنگ میں نئی نئی چیزیں بننے لگیں تو انسانیت کا اس کی طرف رجحان اور زیادہ ہو گیا۔ بالخصوص مادی زندگی گزارنے والے لوگ جو خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے، جو یہ سمجھتے تھے کہ اس دنیا کی زندگی میں عیش کرنا ہی سب کچھ ہے، انہوں نے تو پاگلوں کی طرح اس پر محنت کرنا شروع کر دی اور کہنے لگے کہ بس نئی سے نئی چیز بناؤ اور اس دنیا میں سہولتیں پاؤ، نام بناؤ اور شہرت پاؤ۔ جب وہ اس کے پیچھے لگ گئے تو نئی سے نئی چیز سامنے آتی چلی گئی۔اس دوران اس نے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے کرنے کا طریقہ ڈھونڈا۔ یہ ٹیلیفون اپنے زمانے کی ایک انوکھی چیز تھی۔ایک بندہ یہاں بیٹھا ہوتا تھا اور ایک بندہ کسی اور شہر میں بیٹھا ہوتا تھا اور آپس میں باتیں ہو رہی ہوتی تھیں۔پھر وائرلیس پر باتیں ہونا شروع ہوگئیں اور اب یہ موبائل آگیا۔ یہ سلسلہ آگے بڑھتا چلا گیا اور حتیٰ کہ آج انٹرنیٹ اور ای۔میل کی سہولت بھی آچکی ہے۔

طبِ یونانی کا دور

اس کے ساتھ ساتھ ایک ایڈوانسمنٹ اور بھی ہوئی۔ وہ یہ کہ جب انسان کو بدن کی بیماریوں کا علاج کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت کے جو طبیب لوگ تھے، انہوں نے اس پر بھی ریسرچ کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ وہ جنگلوں میں جاتے اور جڑی بوٹیوں کو دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں کچھ باتیں القاء فرما دیتے...... جو مادی علم ملتا ہے، اس کا تعلق کہیں نہ کہیں جا کر الہام کے ساتھ جڑتا ہے اور روحانی علم کا تعلق وحی کے ساتھ جڑتا ہے...... خیر، ان طبیبوں کے دل میں القا ہوتا کہ اس میں فلاں بیماری کا علاج ہے چنانچہ انہوں نے جڑی بوٹیوں سے علاج کرنا شروع کر دیا۔ بالآخر یہ طب بھی اپنے عروج پر پہنچی اور اس دنیا میں بڑے بڑے اطباء گزرے۔ ایسے ایسے حکیم اور طبیب دنیا میں گزرے جو بندے کو دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اس کو کیا بیماری ہے۔...... آج تو مریض سے کہا جاتا ہے کہ بلڈ ٹیسٹ کرواؤ، الٹرا ساؤنڈ کرواؤ، ایم۔ آر۔ آئی کرواؤ، پھر پتہ نہیں کتنی مصیبتوں سے نکلنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس کو کیا بیماری ہے۔...... لیکن ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی فراست دے رکھی تھی کہ جب وہ کسی بندے کو دیکھتے تو چہرہ دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اب اس بندے کی بیماری کی یہ حالت ہے۔ اور واقعی ایسا ہی ہوتا تھا۔ طبیبوں کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔ ان واقعات کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے کہ طبیب حضرات اس زمانے میں کس طرح علاج کر لیا کرتے تھے۔ طب پر ایک کتاب ''القانون'' لکھی گئی جس کا ترجمہ آج کی دنیا میں بھی یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ اطباء نے کتابوں میں لکھا کہ موت سے پہلے اگر یہ یہ علامات ہوں تو یہ بیماریاں ناقابل علاج ہوتی ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ان کی ترتیب دی ہوئی نشانیاں ناقابل علاج بیماریوں میں شمار ہوتی ہیں۔ یونان کے اندر طب پہ کام ہوا اس لئے اس کو ''طبِ یونانی'' کہتے

ہیں۔

الیکٹرانکس کا دور :

پھر اس انجینئرنگ نے ایک نیا ٹرن لیا۔انسان نے سیلیکان اور جرمینیم کے آپس کے جوڑ سے ایک ایسی چیز بنائی جس کی وجہ سے نئی نئی چیزیں بننا شروع ہو گئیں۔اس کو''الیکٹرانکس'' کہا گیا۔یہ سیلیکان اور جرمینیم کا جنکشن بھی بڑی عجیب چیز بنا۔ٹرانسسٹر اور ڈائےاوڈ بن گئے۔اب یہ چھوٹے چھوٹے پرزے تھے مگر ان کے ذریعے انسان نے بڑے بڑے عجیب کام کرنے شروع کر دیے۔جب وہ اس میں آگے بڑھا تو پھر اس کے لئے ٹیلیفون،تار اور اس طرح کی دوسری چیزیں بنانی آسان ہو گئیں اور یوں الیکٹرانکس کا دور بڑھتا چلا گیا۔یہ الیکٹرانکس کا دور ۱۹۶۰ء سے پہلے پہلے تک رہا۔

کمپیوٹر کا دور:

۱۹۶۰ء میں انسان نے کمپیوٹر بنانے شروع کر دیے۔کمپیوٹر تو پہلے بھی بنائے تھے لیکن وہ بڑے بڑے تھے۔پھر اس نے چھوٹے کمپیوٹر بنانے شروع کر دیے۔ چھوٹے کمپیوٹر کے ذریعے تو یہ معاملہ ایسے آگے بڑھا کہ جو دریافتیں پہلے سالوں کے اندر ہوتی تھیں وہ اب دنوں کے اندر ہونا شروع ہو گئیں۔ہر دن میں کوئی نئی بات سامنے آنے لگی۔

امریکہ میں ایک میوزیم ہے،اسے Natural History Museum کہتے ہیں۔اس میں امریکہ کی تاریخی چیزیں دکھائی گئی ہیں۔ایک مرتبہ ہمیں اس میوزیم میں جانے کا موقع ملا۔ایک جگہ پر انہوں نے لکھا ہوا تھا کہ ہمارے ہاں ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر کی دکان ایسی ہوتی تھی۔ہم نے وہ دکان دیکھی۔آپ یقین کریں کہ امریکہ میں

۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر کی دکان بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح ہمارے ہاں طبیبوں کی دکانیں ہوتی تھیں۔لکڑی کے خانے بھی اس طرح بنے ہوئے تھے، میز بھی اسی طرح کا تھا، میز کے اوپر پیالہ بھی تھا، پیالے کے اندر گھوٹنے والا بھی تھا اور اسی طرح کا ترازو بھی تھا۔گویا اس وقت امریکہ میں ڈاکٹر کی دکان پر بالکل وہی چیزیں ہوتی تھیں جو ہمارے ہاں طبیبوں کی دکانوں پر دیکھی جاتی تھیں۔لیکن آج انسان ڈاکٹر کی دکان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔یہ ساری کی ساری ایڈوانسمنٹ پہلے کی نہیں ہے بلکہ یہ پچھلے پچاس سال کی بات ہے۔

پڑھے لکھے حضرات کی تسلی کے لئے ایک چھوٹی سی بات کہتا ہوں۔۱۹۸۵ء میں ہمارے ایک دوست نے امریکہ سے ایم۔ایس۔سی انجینئرنگ کی۔اسے ایم۔ایس۔سی کا جو پراجیکٹ ملا وہ PCAT کا تھا۔ایک PCXT ہوتا ہے اور ایک PCAT ہوتا ہے۔انہیں ریسرچ کے لئے PCAT کا پراجیکٹ ملا۔اگر آج کوئی PCAT کی بات کرے تو وہ کمپیوٹر کی دنیا میں کسی ڈائنوسار کی بات کر رہا ہوتا ہے، یہ اتنی پرانی چیز نظر آتی ہے۔اس کے بعد جو کمپیوٹر بننا شروع ہوئے تو Pentium, Pentium Pro, Pentium 2, Pentium3 Pentium 4, Pentium 5 بنتے چلے گئے۔

پھر گھروں میں بھی کمپیوٹر آنے لگے ہیں۔حالانکہ جب ہم لوگوں نے انجینئرنگ شروع کی تھی تو اس زمانے میں کیلکولیٹر بھی عام نہیں ہوتے تھے۔ہمیں آج بھی یاد ہے کہ ہم سلائی رولز سے انجینیئرنگ کیا کرتے تھے۔وہ ایک پیمانہ بنا ہوا تھا اور ہم اس سے اپنے پیپرز کیا کرتے تھے۔ہمارے پروفیسر صاحب ۱۹۷۵ء میں ایک سائنٹیفک کیلکولیٹر لے کر آئے تو پوری کلاس نے اس کو ایسے دیکھا جیسے کوئی عجوبہ ہمارے پاس آگیا ہو۔آج یہ حال ہے کہ بچوں کے ہاتھوں میں بھی سائنٹیفک کیلکولیٹرز موجود

ہیں۔

کمپیوٹر کے اس دور میں انسان نے ایڈوانسمنٹ میں بہت تیزی کر دی۔ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں کارآمد مشینیں بننے لگیں اور انسان نے اپنی ضرورت اور سہولت کی چیزوں کو عام کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ فوڈ کے اندر دیکھو تو نئی سے نئی مشینیں آنے لگ گئیں۔ جب وہ مشینیں فوڈ بنانے لگیں تو بہتر سے بہترین بنانے لگیں۔ اسی طرح کمپیوٹر پر کپڑوں کے نئے سے نئے ڈیزائن بننا شروع ہو گئے اور مشینیں بہتر سے بہترین کپڑے بنانے لگیں۔ اس طرح انسان کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

جینیٹک انجینئرنگ کا دور:

پھر یہاں سے کمپیوٹر نے ایک نیا دور کھولا۔ اس دور کو جینیٹک انجینئرنگ (Genetic Engineering) کا دور کہتے ہیں۔ یہ دور انسان کی زندگی کا بڑا اہم دور ہے۔

جینیٹک انجینئرنگ کیا ہوتی ہے؟

جینیٹک انجینئرنگ کیا ہوتی ہے؟...... پیدا ہونے والی ہر چیز بیج سے پیدا ہوتی ہے۔ بیج پر ریسرچ کر کے بیج کو سمجھنا اور اس میں اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرنا جینیٹک انجینئرنگ کہلاتی ہے۔

خلیفۃ اللہ کی استعداد:

دیکھیں! اگر کوئی ڈائریکٹر ایک فیکٹری چلا رہا ہو تو وہ اپنے بعد فیکٹری کا منیجر، اپنا نائب اور اپنا خلیفہ اسی بندے کو بناتا ہے جو فیکٹری چلانے کا علم رکھتا ہو۔ وہ کبھی کسی چپڑاسی کو منیجر بنا کر نہیں جاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو انسان کے بارے میں

خَلِیْفَہ فِی الْاَرْضِ فرمایا، کہ یہ زمین میں میرا خلیفہ ہے، تو اس خلیفہ کا کیا مطلب ہے؟......اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان بھی ساری دنیا کی باریکیوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَسَخَّرَلَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

''اور اس نے زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ بھی ہے وہ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔''

مسخر کرنا کسے کہتے ہیں؟ مفردات میں امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو لگام دے کر اس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔......اس سے پتہ چلا کہ انسان اتنی استعداد رکھتا ہے کہ وہ اس دنیا کی باریکیوں کو سمجھ بھی سکتا ہے اور اپنی عقل استعمال کر کے اس میں پنگا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

فصلوں میں جینیٹک انجینئرنگ کا کردار:

جب جینیٹک انجینئرنگ شروع ہوئی تو ابتداء میں بیجوں سے کام شروع ہوا۔ چنانچہ فصلوں کے عجیب وغریب بیج آنا شروع ہو گئے۔ ایسے ایسے بیج آ گئے جن میں برداشت بہت زیادہ ہے اور کھیتی بھی بہت زیادہ دیتے ہیں۔ پہلے اگر ایک من نکلتا تھا تو اب دس من نکلنا شروع ہو گئے ہیں، پہلے جو شکل اچھی نہیں تھی وہ شکل خوبصورت ہو چکی ہے، اگر پہلے ذائقہ اچھا نہیں تھا تو اب ذائقہ اچھا ہو گیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب شروع شروع میں کھیرا نکلا تو کڑوا ہوتا تھا۔ جب تک بندہ اس کو رگڑتا نہیں تھا اس وقت تک وہ منہ میں لے جانے کے قابل ہی نہیں ہوتا تھا۔ اب انسان نے اس پر ریسرچ کر کے ایسا کھیرا بنا دیا جسے کاٹنے اور رگڑنے کی ضرورت ہی نہیں، اب اگر ویسے ہی توڑ کر کھائیں تو آپ کو کھانے میں میٹھا محسوس ہوگا۔

پھلوں میں جینیٹک انجینئرنگ کے کارنامے:

انسان نے اپنی آب و ہوا کے مطابق پھلوں کی شکلیں حاصل کرنا شروع کر دی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ کچھ علاقوں میں کچھ پھل ہوتے ہی نہیں تھے۔ آج ہر علاقے میں پھل ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ انہوں نے جینیٹک انجینئرنگ پر محنت کر کے اسے اپنی آب و ہوا کے مطابق بنا لیا ہے۔ انسان نے اتنی محنت کی کہ سویڈن میں ایک درخت تھا، اسے قوم کو ٹی وی پر دکھایا گیا۔ مثلاً وہ سٹرس فیملی کا درخت تھا اور اس کی ہر شاخ پر ایک الگ پھل لگا ہوا تھا۔ گویا سائنسدانوں نے کہا کہ اتنے درخت لگانے کی کیا ضرورت ہے، بس ایک درخت لگا لو اور اس کی جتنی شاخیں ہوں گی، ہر شاخ پر اس فیملی کا ایک پھل لے لو۔...... اسی ایک درخت پر...... میٹھا بھی لگا ہوا تھا...... کینو بھی لگا ہوا تھا...... فروٹر بھی لگا ہوا تھا...... غرض ایک فیملی کے جتنے پھل تھے انہوں نے ایک ہی درخت پر لینا شروع کر دیئے۔ اس جینیٹک انجینئرنگ نے انسان کو حیران کرنا شروع کر دیا۔

جانوروں میں جینیٹک انجینئرنگ کی ریسرچ:

یہ کام صرف سبزی اور پھلوں تک نہ رہا بلکہ وہاں سے جانوروں تک بڑھ گیا۔ انسان نے سوچا کہ ہمیں زیادہ دودھ والا جانور چاہیے۔ چنانچہ اس نے اس پر ریسرچ کرنا شروع کر دی۔ یہ ریسرچ اتنی بڑھی کہ آج ایک گائے چوبیس گھنٹوں میں ایک سو بیس (۱۲۰) لٹر دودھ دینے والی بن چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اتنی بڑی ٹینکی لگائی ہوئی ہے۔...... ماشاء اللہ...... بندہ تو اس کا دودھ نکال ہی نہیں سکتا، تھک جاتا ہے، اس کا دودھ نکالنے کے لئے پمپ لگانے پڑتے ہیں۔...... اللہ تیری شان!!!

جانوروں میں جینیٹک انجینئرنگ کا کام ایسا آگے بڑھا کہ ڈنگر ڈاکٹر حضرات کے پاس جانوروں کے بیج آنا شروع ہو گئے۔ ڈاکٹر پوچھتے ہیں کہ جی آپ گائے کے اندر کون سا بیج رکھوانا چاہتے ہیں...... نسل بتا دیں...... رنگ بتا دیں...... اور آپ یہ بتا دیں کہ آپ کو بیٹی چاہیے یا بیٹا...... آدمی جو کچھ بتاتا ہے ڈاکٹر اسی طرح کا بیج نکال کر دے دیتا ہے اور پھر وہی کچھ ہو جاتا ہے۔...... اب کوئی بندہ یہ نہ سمجھے کہ انسان تو یہ کر ہی نہیں سکتا۔ نہیں، نہیں، نہیں۔ نظام تو خدا کا ہی بنایا ہوا ہے، اس نظام سے ہٹ کر بندہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ انسان نے اس نظام کو سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

انسانی افزائشِ نسل اور جینیٹک انجینئرنگ:

جب جانوروں پر تجربات ہونا شروع ہوئے تو خیال تھا کہ شاید یہ جانوروں تک ہی رہیں گے مگر یہ آگے انسانوں تک بھی جا پہنچے۔ یوں جینیٹک انجینئرنگ کے نئے کمالات انسانوں کے اندر بھی آنے لگے۔

آج انسانوں میں بھی جن کو بیٹوں کی خواہش ہوتی ہے، وہ ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں اور ان کا بیٹا ہو جاتا ہے۔...... وہ کیسے؟...... وہ اس طرح کہ مرد کے اندر جو کروموسومز ہیں اس کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک x اور دوسرا y۔ اسی طرح عورت کے کروموسومز کے بھی دو حصے ہوتے ہیں، ایک x اور دوسرا بھی x۔ یعنی مرد کے اندر xy اور عورت کے اندر xx کروموسومز ہوتے ہیں۔ جب مرد اور عورت آپس ملاپ کرتے ہیں تو ان دونوں کے کروموسومز دو دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ مرد کا x علیحدہ اور y علیحدہ۔ اسی طرح عورت کا x علیحدہ اور x علیحدہ۔ اس طرح کل چار حصے بن جاتے ہیں۔ اب ان چار میں سے جو دو پہلے آپس میں مل جاتے ہیں، اسی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اگر عورت کی طرف سے x اور مرد کی طرف سے y کمپوننٹ آ گیا

اور یہ آپس میں مل گئے تو بیٹا پیدا ہو گیا اور اگر مرد کی طرف سے بھی x اور عورت کی طرف سے بھی x کمپونینٹ آ گیا تو بیٹی پیدا ہو گئی۔

اب جب انسان نے اس کو سمجھ لیا تو اس نے یہ کرنا شروع کر دیا کہ مرد کی طرف کا جو x پارٹ تھا، اس کو اس نے لیزر ریز کے ذریعے ختم کر دیا۔ جب x ختم ہی کر دیا تو y باقی ہے اور اب عورت کی طرف سے تو x پارٹ ہی آئے گا اور مرد کی طرف سے y پارٹ ملے گا تو پکا پکا پتر پیدا ہو گا۔ یہ کوئی انوکھا کام نہیں ہوا۔ خدا نے ایک نظام بنایا تھا اور انسان نے اس کو سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر دیا۔ ربِ کریم تو پہلے ہی فیصلہ دے چکے ہیں کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اسے میں نے انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔

بعض لوگ ایسی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ بھئی، حیران ہونے کی بات تو تب ہوتی کہ اگر بچے نے ماں کے پیٹ میں بالفرض ۲۰ ڈگری کے ٹمپریچر پر بننا ہو تو انسان اس کو ۲۰ کی بجائے ۱۲۰ ڈگری پر بنا کر دکھا دے۔ پھر تو ہم کہیں گے کہ ہاں انسان نے کچھ کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ذرہ برابر بھی اونچ نیچ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نظام بنا دیا ہے انسان اس کا پابند ہے۔ اگر وہ اس پابندی کے اندر رہتے ہوئے ایک چیز کو سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں یہ ختم کر دوں گا تو یہ چیز مل کر یہ بن جائے گی تو یہ تو خدائی نظام ہی آگے چل رہا ہے وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کر رہا۔ ہاں، اس کو سمجھ کر استعمال کر رہا ہے۔ قرآن مجید اس کی شہادت دے رہا ہے کہ انسان ایسا کر سکتا ہے۔ کچھ لوگ آج کے دور میں پریشان ہو جاتے ہیں کہ جی یہ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹا ہو گا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، بیٹا تو خدا دیتا ہے۔...... بھئی! خدا ہی دیتا ہے، مگر اسی خدا نے علم بھی دیا ہے اور انسان نے اس علم کو استعمال کر کے آگے اپنی مرضی کے مطابق اس کے نتیجے نکال لئے ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی حیران ہونے والی بات

نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی بندہ یہ کہے کہ جی قرآن مجید میں ہے:

﴿ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ ﴾

''وہ جس کو چاہتا ہے بیٹی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا دیتا ہے۔

اور آج کا انسان بھی ایسا کر رہا ہے،......تو ہم اس کو کہیں گے کہ جب مرد اور عورت کا آپس میں ملاپ ہوتا ہے تو دنیا کا کوئی ڈاکٹر اس ملاپ سے پہلے نہیں بتا سکتا کہ نتیجہ کیا نکلے گا۔ جب کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ بیٹی ہوگی یا بیٹا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خدا ہی کا اختیار ہے کہ وہ جس حصے کو چاہے ملا دے۔......ہاں، جب بندے نے اس سے آگے قدم رکھا اور ایک حصے کو ختم ہی کر دیا تو اب اختیار والا مسئلہ ہی نہیں رہا، اب تو چوائس ہے ہی نہیں۔ بنی ہے تو ایک ہی چیز بنی ہے۔تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے جو یہ بات کی کہ عام حالات میں کیا بنے گا، بیٹی یا بیٹا، یہ اللہ رب العزت نے علم رکھا ہے اور انسان اس علم کو سمجھ کر اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر لیتا ہے۔تو یہ چیز قرآن مجید کے خلاف نہیں ہو رہی بلکہ اس کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ہاں، ہم تب اس کا کمال جانیں جب وہ فطرت کے اس اصول کو، جو اللہ نے ماں کے پیٹ میں بنا دیا، ایک طرف رکھ دے اور یہ کہے کہ میں اپنی Humanity، اپنے ٹمپریچر اور اپنے Environment (ماحول) میں بچے کو بنا کر دکھا سکتا ہوں۔ہم تب کہیں گے کہ جی ہاں، اس نے یہ کام کر کے دکھایا ہے۔اگر یہ ساری عمر بھی ایسا کرتا رہے تو یہ کبھی بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔

یہ جو ٹیسٹ ٹیوب بے بی بناتے ہیں، وہ اس ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پوری کی پوری Environment (ماحول) وہی بناتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں اللہ نے بنائی ہوتی ہے۔بھئی! خدا کے اس نظام کو بدل کر دکھاؤ تو ہم جانیں۔وہ اس کو ہرگز نہیں بدل سکتے۔بلکہ وہ کہتے ہیں کہ وہی خدا کا بنایا ہوا Environment ہی رکھنا

پڑے گا۔ بھئی! جب رکھنا ہی خدا کا نظام ہے تو پھر اس میں ہمارا کیا ہے؟ ہم کوئی نئی چیز بنا رہے ہیں؟ ہم تو اسی چیز کو آگے پیچھے کر کے دکھا رہے ہیں اور کسی چیز کو آگے پیچھے کر کے دکھانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔

ڈی۔این۔اے کی دریافت:

اب انسان نے جینیٹک انجینئرنگ کے ذریعے DNA کو دریافت کر لیا ہے۔

......DNA کیا ہے؟......DNA انسان کے بدن میں ایک چھوٹا سا سیل ہے۔ اس سیل میں تمام ہدایات موجود ہیں کہ انسان نے ماں کے پیٹ میں کیسے بننا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام ہدایات ایک چھوٹے سے سیل کے اندر رکھ دی ہیں۔ جیسے ورکشاپ میں کوئی پارٹ بنتا ہے تو ایک کاغذ پر اس کے بارے میں ہدایات لکھی ہوتی ہیں۔ ایک ٹربائن بنتی ہے تو اس کی انسٹرکشن بک اتنی بڑی ہوتی ہے۔ جب انسان کو پتہ چل گیا کہ اس DNA کے اندر تمام تفصیلات ہیں تو اس نے اس کو مزید سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔

DNA کے اندر لفظوں میں لکھی ہوئی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ بارکوڈز ہیں۔ جیسے کوڈ میں کوئی چیز لکھی ہوتی ہے، وہ ایسے ہی لکھا ہوا ہے۔ انسان نے ان کوڈز کو سمجھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آج کا انسان تین ہزار کوڈز کو ان کوڈ کر چکا ہے۔ مثال کے طور پر:

......جب بچہ بنتا ہے تو اس کی آنکھیں کالی ہوں گی یا نیلی ہوں گی۔

......اس کے بال کالے ہوں گے یا بھورے ہوں گے۔

اس طرح کی انسٹرکشنز DNA کے اندر کوڈز کی شکل میں لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اب اس کو پتہ ہے کہ اگر یہ ایسے ہو تو پیدا ہونے والے بچے کے بال کالے ہوں گے اور ایسے ہو تو اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اب یہ چیزیں انسان نے سمجھنا شروع کر

دی ہیں اور اب تک اس نے تین ہزار رازوں سے پردہ اٹھالیا ہے۔ اور ابھی یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ لاکھوں کے حساب سے ڈاکٹرز روزانہ بیٹھ کر اس پر ریسرچ کر رہے ہیں۔

DNA کے اندر پتہ چل جاتا ہے کہ اس بندے کو زندگی میں کون کون سی بیماریاں لاحق ہوں گی۔ لہٰذا اب وہ کہتے ہیں کہ ہم انسان کی بیماریوں کا علاج DNA میں ہی کر دیا کریں گے تاکہ بیماریاں ہی ختم ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے اوپر ریسرچ ہونے لگ گئی۔ لہٰذا اب ایک نیا ٹیسٹ نکلا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے وہ کروایا اور ہم نے خود اس کا نتیجہ دیکھا۔ وہ آنے والے ۲۵ سالوں کی ایک پروفائل ہے۔ وہ اس پروفائل میں بتاتے ہیں کہ اگر ایکسیڈنٹ نہ ہو، کوئی خاص واقعہ بھی نہ ہو اور روٹین لائف چلتی رہے تو اس بندے کو

......اتنے سال بعد شوگر ہو جائے گی۔

......اتنے سال بعد بلڈ پریشر ہو جائے گا۔

......اتنے سال بعد ٹی۔ بی ہو جائے گی۔

......اتنے سال بعد لیکیومیا ہو جائے گا۔

واقعی کچھ لوگوں کے ٹیسٹ کر کے جب ان کی پروفائل تیار کی گئی تو ان کو کچھ عرصہ نارمل لائف گزارنے کے بعد وہی بیماریاں لگ گئیں اور عین اتنے ہی عرصے کے بعد وہ بیماریاں آئیں جتنا اس پروفائل میں دیا گیا تھا۔ وہ اب اس کے کنفرمیٹری ٹیسٹ کر چکے ہیں۔ جیسے ایک انجینئر کسی مشین کو دیکھتے ہی کہہ دیتا ہے کہ اس کا یہ پارٹ گھس جائے گا اور اتنے عرصے کے بعد بیرنگ خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح آج کے ڈاکٹروں نے بھی انسان کے اندر کے بارے میں پچیس سال کی پروفائل بتانی شروع کر دی ہے۔

یاد رکھیں کہ انسان یہیں غلطی کھائے گا۔ جب یہ DNA کو چھیڑنا شروع کرے گا تو علم کا ایک ایسا نیا جہان نکلے گا جس کو یہ نہیں جانتا ہوگا، وہاں جا کے بے چارہ پھنس جائے گا۔ اس کو Immune System کہتے ہیں۔ جب یہ انسان اس Immune System کو چھیڑے گا تو ایسی مصیبت میں پھنسے گا کہ اس کے ہاتھ سے معاملہ نکل جائے گا۔ پھر وہ مانے گا کہ

''اللہ! ہے تاں تُو ای اُتے۔''

جب اس نے چابی لگا کر دروازہ کھول ہی دیا تو ایک پنڈورا باکس کھل جائے گا اور ایسے تماشے ہوں گے کہ پھر ہٹ کر کہے گا،

''یا اللہ! جو تو نے بنایا تھا، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہی سب سے بہتر ہے۔''

مگر چونکہ آج نئی نئی ریسرچ کھل رہی ہے اس لئے آج انسان بڑا خوش ہے کہ ہم نے پتہ نہیں کہ کیا کیا نئی چیزیں دیکھنا شروع کر دی ہیں۔

جینیٹک انجینیئرنگ کا ایک قابلِ تحسین کارنامہ:

جینیٹک انجینئرنگ نے ایک کام کمال کا بھی کیا ہے، وہ یہ کہ اس نے ڈارون تھیوری کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ سینکڑوں سالوں سے جو ڈارون کا نظریہ دنیا میں چل رہا تھا اور سائنسدان اسے مان رہے تھے اب جینیٹک انجینئرنگ کی وجہ سے یورپ کے سائنسدانوں نے خود اس نظریے کے غلط ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔...... ڈارون کیا کہتا تھا؟...... وہ کہتا تھا کہ millions اور billions کے اندر پہلے فلاں چیزیں تھیں، پھر وہ یہ بن گئے، پھر وہ سب کے سب بندر بن گئے اور اس کے بعد وہ سب انسان بن گئے۔ اس نے کہا کہ لاکھوں کی تعداد میں مرد اور عورتیں ایک ہی وقت میں بن گئے۔

جینیٹک انجینئرنگ نے یہ کہا کہ دنیا کے اندر جو انسان کی نسل چلی اس کی ابتداء

اگر ایک مرد سے ہوتو پھر بات سمجھ میں آنی آسان ہے۔لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ پہلے عورت ہوتی اور عورت سے مرد وجود میں آتا۔ دیکھیں، عام تصور تو یہی پیدا ہوتا ہے کہ ماں ہوگی تو پھر بچہ پیدا ہوگا۔مگر جینیٹک انجینئرنگ نے کہا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔سب سے پہلے مرد پیدا ہوا پھر مرد سے عورت بنی اور پھر عورت اور مرد کے ملاپ سے آگے اولادیں چلیں۔مرد کے xy کروموسومز سے تو یہ ممکن ہے کہ عورت بن جائے لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ xx والی عورت پہلے ہوتی اور اس سے مرد پیدا ہوسکتا۔گویا جینیٹک انجینئرنگ نے آکر صاف کہہ دیا کہ یہ ڈارون تھیوری مفروضوں کا پلندہ تھا، اب اس کا زمانہ گزر گیا ہے، اٹھا کر اسے کونے میں رکھ دو۔

اب دیکھیں کہ جینیٹک انجینئرنگ بھی کہتی ہے کہ دنیا میں ایک مرد سے سلسلہ آگے چلا اور ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔اللہ رب العزت نے ان کی پسلی سے اماں حوا کو پیدا کیا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا سے نسل آگے چلی۔لہٰذا قرآن مجید کی آیت سنئے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء:۱)

"اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اس نے اسی میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں۔"

واہ میرے مولا! چودہ سو سال پہلے دنیا سائنس اور جینیٹک انجینئرنگ کا نام ہی نہیں جانتی تھی، اس وقت قرآن مجید نے یہ کہہ دیا کہ ایک جی سے تخلیق کا سلسلہ شروع ہوا اور اس میں سے اس کا جوڑا نکالا اور ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

جینیٹک انجینئر نگ نے کمال کا کام یہ کیا یہ اس نے اسلام کے نظریے کی تصدیق کر دی۔......جی ہاں، جہاں اس کی برائیاں سامنے آ رہی ہیں، وہاں اچھائیاں بھی سامنے آ رہی ہیں۔...... الحمدللہ، اب ہم جب باہر جا کر دنیا کو کہتے ہیں کہ اے ڈارون کے پجاریو! اب تمہاری وہ حقیقتیں کہاں گئیں، تو وہ کہتے ہیں کہ ہاں اسلام نے چودہ سو سال پہلے ٹھیک کہا تھا۔ ہم نے کہا، اسلام کی جو باتیں تمہیں آج سمجھ میں نہیں آتیں کچھ سالوں کے بعد وہ بھی تمہیں سمجھ میں آ جائیں گی۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ

We are in search of truth.

(ہم سچ کی تلاش میں ہیں۔)

ان کو وہ سچ اسلام کے دروازے پر آ کر مل رہا ہے۔ اس لئے باہر کے ملکوں میں جو یہ کہتے ہیں کہ لوگ زیادہ تعداد میں مسلمان ہو رہے ہیں اور قرآن مجید کے نسخے زیادہ بک رہے ہیں، وہ کوئی مسلمانوں کی محنت سے بک رہے ہیں، وہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور جب ان کو قرآن مجید میں حقیقتیں نظر آتی ہیں تو کافر خود بخود کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ قرآن مجید کی حقانیت خود ان کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ سبحان اللہ۔

قربِ قیامت اور جینیٹک انجینئرنگ:

اب میں آپ کو ایک اور بات عرض کر دوں کہ قیامت کے قائم ہونے کا جو ظاہری سبب بنے گا، لگتا ہے کہ وہ جینیٹک انجینئرنگ ہی بنے گی......ذرا توجہ فرمایئے، بڑی اہم بات ہے۔ حدیثِ پاک میں قربِ قیامت کی تین نشانیاں بتائی گئی ہے۔ مثلاً......

(۱)......ایک نشانی یہ بتائی گئی کہ قربِ قیامت میں شرار الناس لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ یعنی ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو سب سے زیادہ شریر ہوں گے، ان پر

قیامت قائم ہوگی۔......وہ شرار الناس کیسے ہوں گے؟......وہ اس طرح کہ وہ اتنے بے غیرت ہوں گے کہ حدیث پاک میں بتایا گیا کہ لوگوں کا ایک مجمع ہوگا، ان کے قریب سے ایک عورت گزرے گی، ان میں سے ایک مرد اس عورت کے ساتھ برائی کا مرتکب ہوگا، لیکن پورے مجمع میں کوئی ایک بھی بندہ ایسا نہیں ہوگا جو ان کو یہ کہہ دے کہ آپ دونوں کہیں اوٹ میں چلے جائیں۔ وہ اتنے بے حیا ہوں گے کہ ان میں سے یہ کہنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

(۲)......دوسری نشانی یہ بتائی کہ وہ دین سے اتنا دور ہوں گے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ لوگ اللہ کا نام سن کر کہیں گے کہ ہاں، ہمارے بڑے یہ نام تو لیا کرتے تھے۔ یعنی ایسا زمانہ آجائے گا جب اللہ تعالیٰ کا نام بھی ان کے لئے سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔

(۳)......تیسری نشانی یہ بتائی کہ پوری دنیا میں ایک بندہ بھی اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا۔

اب یہاں ایک نکتہ سمجھئے۔......یہی نکتہ سمجھانے کے لئے میں نے یہ پورا بیک گراؤنڈ باندھا ہے۔...... یہ جو حدیث پاک میں آیا کہ پوری دنیا میں ایک بندہ بھی اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا، یہ ظاہر میں کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ مان لیا کہ دنیا سے مسلمان ختم ہو جائیں، لیکن عیسائی تو رہیں گے، اگر عیسائی بھی ختم ہو جائیں تو یہودی تو رہیں گے، لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نہ مسلمان رہیں، نہ عیسائی رہیں اور نہ ہی یہودی رہیں۔ اور جب تک یہ تینوں رہیں گے خدا کا تصور موجود رہے گا۔ کیونکہ وہ بھی خدا کو مانتے ہیں۔ ڈالر پر آج بھی لکھا ہوا ہے کہ

In God we believe.

تو جب مسلمان بھی خدا کو مانتے ہیں، عیسائی بھی خدا کو مانتے ہیں اور یہودی بھی

خدا کو مانتے ہیں تو یہ جو کہا کہ پوری دنیا میں اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا تو اس کا مطلب ہے کہ نہ مسلمان رہیں گے، نہ عیسائی رہیں گے اور نہ یہودی رہیں گے۔ یعنی دین کو ماننے والے پوری دنیا میں کوئی بھی نہیں رہیں گے۔ اب یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ دین کا ماننے والا پوری دنیا میں کوئی نہ رہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

جی ہاں، ایسا ہی ہوگا اور اب اس کے ہونے کا طریقہ سنئے۔...... اگر یہ راز سمجھ میں آجائے تو بات ذرا آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔...... وہ اس طرح ہوگا کہ جیسے انسان نے DNA پر تحقیق کر کے اس کے Physical aspects (طبعی پہلوؤں) کو دیکھا اسی طرح اس نے اس کے Behavioural aspects (رویہ جاتی پہلوؤں) کو بھی سٹڈی کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کو Behavioural aspects of DNA کہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ

...... کچھ بچے بہت ہی بہادر ہوتے ہیں

...... کچھ بچے بہت ہی ڈرپوک ہوتے ہیں

...... کچھ بچے بہت ہی شریف ہوتے ہیں اور

...... کچھ بچے بہت ہی بے حیا ہوتے ہیں۔

یہ خوبیاں اور خامیاں بچوں کے اندر کیسے آتی ہیں۔ ان کا تعلق بھی DNA سے ہے۔ اب اس کو انسان نے سوچنا شروع کر دیا ہے۔ جب انسان اس کو سمجھنے لگ جائے گا تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ

...... اگر یہ چیز ہو تو بچہ باحیا ہوتا ہے۔

...... اگر یہ چیز ہو تو بچہ بے حیا اور بے غیرت ہوتا ہے

...... اگر یہ چیز ہو تو بچہ بہادر ہوتا ہے اور

...... اگر یہ چیز ہو تو بچہ بزدل اور ڈرپوک ہوتا ہے۔

جب انسان اس کو سمجھنا شروع کر دے گا تو اس کے بعد وہ اس کے اندر دخل اندازی کرنا شروع کر دے گا۔..... کیا دخل اندازی کرے گا؟..... وہ کہے گا کہ یہ خواہ مخواہ کا شرم کیا چیز ہے، یہ تو ایک بیماری ہے۔ چنانچہ یورپ میں کفر نے اس وقت یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ

Shyness is a sickness.

(شرم ایک بیماری ہے۔)

جب کہ ہمارے دین اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

''حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔''

اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ

''حیاء میں سراسر خیر ہے۔''

چونکہ اب کفر بے شرمی کی تعلیم دے رہا ہے لہٰذا آج یورپ کے اندر کہتے ہیں کہ نہ تو مرد میں شرم ہونی چاہیے اور نہ ہی عورت میں۔ چنانچہ اب وہ شرم کو نکالنے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں..... اب یہ شرم کیسے نکلے گی؟..... ان کو اس کا آسان طریقہ یہ نظر آئے گا کہ اسی DNA میں ہی کچھ کر دو تا کہ بندے میں شرم ہی نہ رہے۔ اصل میں تو شرم کی بات ہی ہوتی ہے نا۔ دیکھیں، اب ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اگر بیٹھے بیٹھے مجھے پیاس محسوس ہو تو میں پانی پینا شروع کر دوں گا، کیا مجھے پانی پیتے ہوئے شرم محسوس ہو گی؟ نہیں، کیونکہ یہ بدن کی ایک ضرورت ہے اور میں اس کو شرم کا کام ہی نہیں سمجھتا۔ لیکن اب یورپ میں لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ انسان کی تین ضروریات ہیں:

(۱)..... کھانا پینا

(۲)......سونا

(۳)......جنسی ضروریات پوری کرنا

وہ کہتے ہیں کہ جب یہ سب ضروریات ہیں تو پھر ان کو پورا کرنے میں شرم کیا کرنا۔ دیکھیں، بکریوں کا ریوڑ ہو، اگر اس میں بکرا بکری سے ملاپ کرنا چاہے تو کیا وہ شرم محسوس کرتا ہے؟ مرغا مرغی سے ملاپ کرنا چاہے تو کیا وہ شرم محسوس کرتا ہے؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ تم کھانے پینے میں کوئی شرم نہیں کرتے، جہاں نیند آ جاتی ہے تم وہی سو جاتے ہو اور کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تو پھر یہ آپس کا ملاپ بھی تو ضرورت ہے، اس میں کیوں شرم محسوس کرتے ہو؟ اس طرح شرم و حیا کا پتا ہی کٹ جائے گا اور لوگ کھانے پینے اور سونے کی طرح اس کو بھی ضرورت محسوس کرنا شروع کر دیں گے، لہٰذا ایک بے شرمی، بے حیائی اور بے غیرتی کی زندگی شروع ہو جائے گی۔

اب جب سائنسدان دیکھیں گے کہ بے حیائی کے راستے میں کچھ دیندار لوگ رکاوٹ بن رہے رہیں تو وہ کہیں گے کہ یہ بڑے دین والے بنتے ہیں لہٰذا ان کا بھی پتا کاٹو۔ چنانچہ وہ DNA پر ریسرچ کر کے ڈھونڈیں گے کہ کس جگہ پر کیا ہو تو بندے کو دین سے محبت ہوتی ہے، خدا سے محبت ہوتی ہے اور کس جگہ اس کو ختم کر دیا جائے تو انسان خدا بیزار بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ ایک ایسی نسل پیدا کرنے کی کوشش کریں گے جو پیدائشی طور پر خدا بیزار ہوگی اور اس نسل کو خدا کا تصور بھی اچھا نہیں لگے گا۔

اچھا، اس کا طریقہ کیا ہوگا؟......اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اعلان کیا جائے گا کہ تم لوگ میاں بیوی اگر ملاپ کرنا چاہتے ہو تو مرضی سے کرو، اگر بچہ چاہتے ہو تو ہمارے پاس جینیٹک بینک کے اندر بڑے بڑے سائنسدانوں کے بیج رکھے ہوئے ہیں لہٰذا تم اپنے ہاں عام بچہ پیدا نہ کرو بلکہ

......آئن سٹائن جیسا بچہ پیدا کرو

...نیوٹن جیسا بچہ پیدا کرو

......شیکسپیئر جیسا بچہ پیدا کرو

......فلاں رول آف آنرز جیسا بچہ پیدا کرو جس نے نوبل پرائز ون کیا تھا۔

چونکہ وہاں کی عورتوں کو تو اس میں کوئی فرق ہی نظر نہیں آتا لہٰذا وہ کہیں گی کہ ٹھیک ہے، جہاں تک میاں بیوی کا تعلق ہے، ہم اپنی زندگی گزاریں گے، اگر ہم چاہتے ہی ہیں تو پھر ہمارا بچہ بھی آئن سٹائن اور نیوٹن جیسا ہونا چاہیے، لہٰذا مجھے Marshal race چاہیے۔ چنانچہ عورتیں اپنے خاوندوں کی بجائے جینیٹک بینک میں جا کر Pregnant (حاملہ) ہوا کریں گی۔ جب وہاں سے حاملہ ہوں گی تو حکومت کہے گی کہ چونکہ تم Marshal race کو پیدا کرنے میں ہماری معاون بنی رہی ہو، اس لئے ہم تمہارا ٹیکس بھی معاف کر دیں گے اور اتنا اتنا ڈسکاؤنٹ دے دیں گے۔ اس مارشل ریس کے چکر میں وہ ان کو ایسا بیج دیں گے کہ پیدا ہونے والے بچے کی صحت بھی اچھی ہوگی، وہ عقلمند اور ذہین بھی بڑا ہوگا...... شکل کا بھی خوبصورت ہوگا لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ

......وہ خدا بیزار ہوگا،

......اس کا دین سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہوگا،

......وہ اتنا بے حیا ہوگا کہ حیا کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھے گا۔

اب جب ایسے بچے پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے تو پھر پوری کی پوری قومیں ایسی بنیں گی کہ جن کے جسم میں خدا کے تصور والا مادہ ہی نہیں ہوگا۔ یہ پکے جانور ہوں گے۔ ان کو ''عقلمند جانور'' کہنا چاہیے۔ جب انسان یہ عقلمند جانور بنانا شروع کر دے گا تو پھر یہ غالب آئیں گے اور پھر یہ اپنی نسل کو ایسا آگے بڑھائیں گے کہ پوری دنیا میں یہی ہوں گے۔

یہ وہ لوگ ہوں گے کہ اگر ان کے سامنے کوئی اللہ کا نام لے گا تو یہ بیٹھ کر کہیں گے ، بھئی ! میں نے بھی اپنے دادا سے یہ نام سنا تو تھا ، پتہ نہیں یہ نام کیا ہوتا ہے؟ ۔ پھر ایسا وقت آجائے گا کہ پوری دنیا میں ایک بندہ بھی ایسا نہیں ہوگا جو اللہ کا نام جانتا اور لیتا ہوگا ۔ جب ایک بندہ بھی ایسا نہیں رہے گا تو یہ وہ وقت ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم کر دیں گے اور دنیا کی بساط کو سمیٹ دیا جائے ...... اس طرح انسان کا وہ سفر جو ایگریکلچر انجینئرنگ سے شروع ہوا تھا بالآخر جینیٹک انجینئرنگ پر آکر اس کے سارے سفر کی انتہا ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کھیل کو ختم کر کے پھر ساری دنیا کو اپنے سامنے کھڑا کر کے جواب لیں گے ۔

اللہ رب العزت ہمیں اس وقت سے پہلے پہلے دین پر زندگی گزارنے کی اور دین کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ (آمین یارب العٰلمین)

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (تیرہ جلدیں)
- مجالس فقیر (چھ جلدیں)
- مکتوبات فقیر
- حیات حبیب (سوانح حیات)
- عشق الٰہی
- عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- باادب بانصیب
- تصوف وسلوک
- لاہور سے تاخاک بخارا وسمرقند (سفرنامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار ورموز
- نماز کے اسرار ورموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- موت کی تیاری
- مثالی ازدواجی زندگی کے سنہری اصول
- اولاد کی تربیت کے سنہری اصول
- حیاء اور پاکدامنی
- خواتین اسلام کے کارنامے
- عمل سے زندگی بنتی ہے
- دوائے دل

- سکونِ دل
- تمنائے دل
- گھریلو جھگڑوں سے نجات
- زلزلہ.....مشاہدات وواقعات
- ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی
- کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے
- پریشانیوں کا حل
- دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات
- گناہوں سے توبہ کیجئے
- محسنین اسلام
- سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے معمولات
- وظیفہ
- پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں
- شجرہ طیبہ
- بے داغ جوانی
- LOVE FOR ALLAH
- Wisdom For The Seeker
- Be Courteour Be Blessed
- Travelling Across Central Asia
- Ocean Of Wisdom

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ 047-7625454
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 062-2442791
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 041-7224228
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ دار الاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539
- مکتبۃ الشیخ 445/3 بہادر آباد کراچی 0214935493
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- مکتبہ علمیہ، دوکان نمبر 2 اسلامی کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی 021-4918946
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2288261
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ، پشاور روڈ، راولپنڈی 03009834893 ، 051-5462347

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد